سوزِ جگر

جگر جالندھری

(جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں)

سوزِ جگر

مصنفہ

جگر جالندھری

Approved by the D.P.I. Punjab vide letter No. 3165-73 dt. 11. 1. 74 for the libraries of Colleges, Schools & Social Education Centres.

قیمت :- ۳ روپے

انتساب

جناب آر۔ ڈی۔ سیال (وفا پٹیالوی)

کے نام

جو ایک اچھے شاعر ہونے کے علاوہ بہت بڑے شاعر نواز بھی ہیں اور سوزِ جگر کی اشاعت اُنہیں کے کرم اور حوصلہ افزائی کی مرہونِ منت ہے۔

جگر جالندھری

باہتمام دیو رام دھوری۔ چوپڑہ پرنٹنگ پریس جالندھر میں چھپا

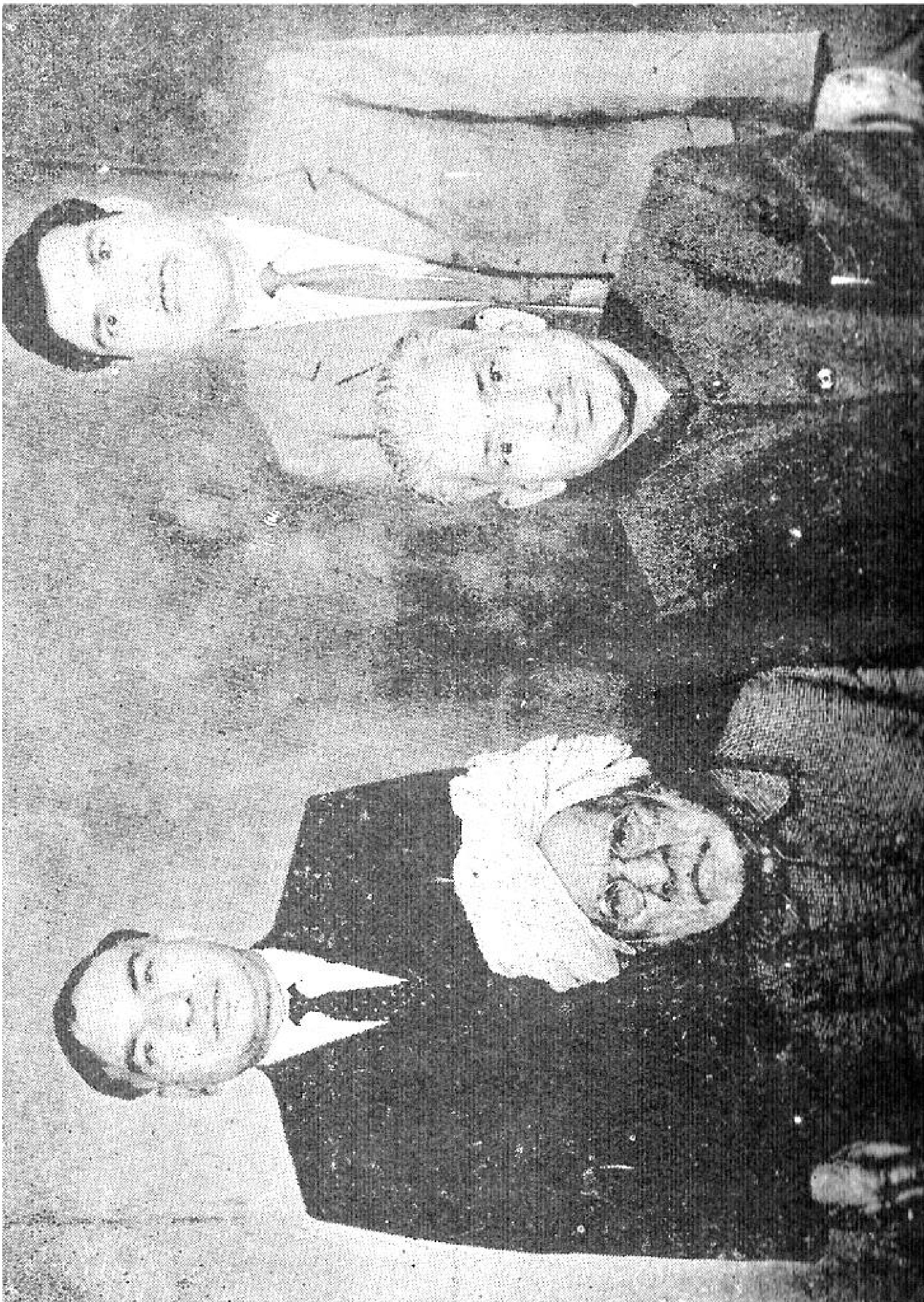

تعارف

از :- ابوالفصاحت پدم شری جناب جوشؔ ملسیانی

جگرؔ جالندھری جو اپنا مجموعۂ کلام منظرِ عام پر لانا چاہتے ہیں میرے قابل شاگرد ساحرؔ صاحب سیالکوٹی سے کامیاب تربیت حاصل کرتے رہے ہیں۔ اور مجھ سے بھی مستفید ہوتے رہے ہیں۔ زبان اور فن کی تحقیق کے شیدائی اور حسنِ سخن کے فدائی ہیں۔ طبیعت شاعری کے لئے بہت موزوں ہے۔ ان کی صحیح قسم کی موزونیِ طبع پیچیدہ بحروں میں بھی صحیح کہنے پر قادر ہے۔ تخیل اور زبان کو دوش بدوش رکھ کر شعر کہتے ہیں۔ نتائجِ افکار میں جھول بہت کم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ کہتے ہیں سوچ سمجھ کر کہتے ہیں۔ متروکاتِ شعری اور متروکاتِ زبان کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ بندش کے لحاظ سے شعر عموماً ٹھوس اور مضبوط ہوتا ہے۔ طبیعت زیادہ تر غزل ہی کا میدان پسند کرتی ہے۔ ہر قسم کی عریانی اور بازاری زبان سے بچ کر شعر کہتے ہیں۔ خوش بیانی ان کی طبعِ سلیم کا جوہر ہے جس کے ثبوت میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

سُننی ہی پڑے گی تمہیں سُننی ہی پڑیگی
آوازِ محبت ہے یہ آوازِ محبت

دونوں مصرعوں میں الفاظ کی تکرار نے جو زور پیدا کیا ہے وہ قابلِ دید

ہے۔ اس میں تقاضا بھی ہے اور ادعا بھی۔ دونوں نے مل کر شعر میں بہت قوت پیدا کر دی ہے ؎

نغمات آج تک وہ کسی نے سنے نہیں
خوابیدہ ہیں جو دِل کے شکستہ رباب میں

دوسرا مصرعہ تہ دار ضرور ہے مگر لفظ شکستہ نے پوری صراحت کر دی ہے۔ یہ قافیہ بڑی ہنرمندی سے لایا گیا ہے۔ ذوقِ سخن داد دینے پر مجبور ہے۔

پھر شکوۂ طولِ شامِ غم کیا
اس شام کی جب سحر نہیں ہے

منطقی طور پر طبیعت کو شکایات سے منع کیا ہے۔ تسکینِ دل کی کوشش بہت قابلِ داد ہے ؎

فکر، تشویش، رنج، غم کے سوا
اور کچھ بھی نہیں زمانے میں

مضمون تو پامال ہے مگر اندازِ بیاں دلکش ہے۔ واؤ عطف کو استعمال نہ کرنا پہلے مصرعہ کی خاص خوبی ہے ؎

کوئی زندگی کی تمنا نہ کرتا — اگر اس میں ہوتا نہ عہدِ جوانی

شعر سراپا حقیقت ہے۔ عہدِ جوانی کی دلکشی کا بیان اس سے بہتر اور کیا ہوگا۔ دو لفظوں میں اس دلکش دور کی پوری تصویر سامنے آگئی ہے

ان چند مثالوں سے جگر صاحب کے حسنِ طبیعت کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ طوالت کے خیال سے نیز اپنے ضعفِ بصارت کے لحاظ سے مزید

بہت چھوڑ دی ہے - مجھے یقین ہے کہ ان کا مجموعہ کلام قدرشناسوں کی محفل میں ضرور مقبول ہو گا ع

الله کرے حسنِ سخن اور زیادہ

اس دعائیہ مصرع پر یہ تعارف ختم کرتا ہوں -

جوشؔ ملسیانی

جگرؔ کون؟

از:۔ سحابِ سُخن مولانا ابراحسنی گنوری

آیئے میں بتاؤں جگرؔ کون ہے کیونکہ میں جگرؔ کو اتنا ہی جانتا ہوں جتنا جگرؔ خود کو جانتے ہوں گے۔ اور ممکن ہے وہ خود کو اتنا نہ جانتے ہوں جتنا میں جانتا ہوں کیونکہ شراب کو اپنا نشہ اور شیر کو اپنی طاقت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ یہ تو وہی جان سکتے ہیں جن کا ان سے پالا پڑے۔ مجھے جگرؔ سے بہت پالا پڑا ہے۔ میں نے انہیں خوب پرکھا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہیں۔

یوں تک بندیاں تو سبھی کر لیتے ہیں۔ مگر شعر کے مزاج کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ انمل بے جوڑ الفاظ وزن کے اندر جمع کرنا کوئی مشکل نہیں۔ مگر کونسا لفظ کہاں فِٹ ہو گا کس مقام پر وہ نگینہ بن جائے گا اور کہاں خذف ریزہ یہ اس دیدہ ور کا کام ہے جس کو الفاظ کی قدر و قیمت معلوم ہو۔ اسی لئے تو شاعر کو مرقع ساز کہا جاتا ہے۔ جگرؔ شعر کے مزاج کو بھی ایک طبیب حاذق کی طرح جانتے ہیں۔ اور انہیں الفاظ کے استعمالِ برمحل کا بھی عرفان ہے۔

آج کل کے مطلق العنان شاعر "کیا کہا" کو کمالِ سخنوری جانتے ہیں۔ انہیں "کیسے کہا" سے واسطہ نہیں ہوتا۔ اور واسطہ ہو بھی کیسے "کیسے کہا"

گھر بیٹھے نہیں آتا - اس کے لیئے کسی باکمال شاعر سے مدت مدید تک سیکھنا پڑتا ہے - گفتگو ایک گنوار بھی کر لیتا ہے - لیکن وہی بات جو گنوار نے کہی کوئی مہذب اور پڑھا لکھا کہتا ہے تو زمین آسمان کا فرق محسوس ہونے لگتا ہے - گنوار کی بات گنوار کے ہی دل پہ اثر کر سکتی ہے - باکمال سخنور کو تو اس کی بات سن کر اُبکایاں آنے لگتی ہیں - لیکن وہی بات جب زبان کے رموز و نکات جاننے کے واسطے گفتگو کا محل پہچاننے والے کرتے ہیں تو پتھر پانی ہو جاتے ہیں - ہر بات دل پر ایسے بیٹھتی ہے جیسے نشانہ پر تیر - اب آپ جگرؔ کا کلام پڑھ ہی گئے ہیں - سچ کہیئے میں نے کچھ جھوٹ تو نہیں لکھا - آپ کیف میں ڈوب گئے یا نہیں - آپ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے یا نہیں - جگرؔ کے شعر آپ کو اپنی کہانی معلوم ہوئے یا نہیں - یہی کمال ہے اس جگر میں - اور آپ جانتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ جگرؔ کے اشعار میں اتنی صفائی، اتنی کاریگری اتنی بیباکی اور اتنی تاثیر کیوں ہے؟ بات یہ ہے کہ جگرؔ عصرِ حاضر کے خود پسند شعراء میں نہیں ہیں - وہ "ہم چو من دیگرے نیست" کے بے ہنگام نعرے لگانے والوں میں نہیں ہیں - انہوں نے شعر کہنے پر محنت کی ہے - انہوں نے اس فن کو ایک بڑے فنکار سے سیکھا ہے - جو فنکار ہی نہیں جادوگر بھی ہے - یعنی معروف شاعر مشہور فن دان مقبول سخنور ساحرؔ سیالکوٹی ہے جس کو شعر کی نبضیں دیکھنی آتی ہیں - بال کی کھال نکالنی آتی ہے - بات بات پر فن پیشِ نظر رہتا ہے - معائبِ کلام اور محاسنِ کلام پر گویا اس کی حکومت ہے - ایسا شفیق باکمال ہنرمند جب جگرؔ کو مل جائے تو جگرؔ بلند پایہ شاعر ماہر اور بناضِ

نہیں نہ پہنچ تو کیا ہے۔

اُردو کی ایک معیاری تہذیب ہے۔ ادب و احترام سے بات کرنا، چھوٹوں سے شفقت، بڑوں کی تکریم، برابر والوں سے محبت، تہذیب سے بات کرنا، تہذیب سے خدمت، دریافت وغیرہ وغیرہ۔ یہ بات ہمیشہ ہر اُردو داں بالعموم اور ہر شاعر اعلیٰ قدر معیار کے ساتھ ساتھ سامنے رکھتا ہے۔ یہ تہذیب آپ دوسری زبانوں کے شاعروں میں نہ پائیں گے۔ جگر اس پوری تہذیب کے مجسمہ بن کر رہ گئے ہیں۔ بات کریں گے تو منہ سے پھول جھڑیں گے۔ کسی سے ملیں گے تو پیکرِ خلوص و محبت نظر آئیں گے۔ بڑوں کے سامنے نہایت مودب ہو کر ملیں گے۔ کسی پہلو سے دیکھ لیجئے جگر دل میں اترتے نظر آئیں گے۔ کسی وقت پرکھ لیجئے وہ اصلی ہی دکھائی دیں گے۔ ان کی کسی ادا کو آپ مصنوعی اور نقلی نہیں کہہ سکتے۔ اور یہ باتیں آتی ہیں اُس شاعر کو جس نے اُردو شعر کی تہذیب کو اپنی تہذیب بنا لیا ہو۔ جس نے اُردو شاعری کے سمندر میں خود کو ڈبو دیا ہو۔ اور اس کی گہرائیوں میں اُتر گیا ہو۔

ظاہر میں جگر آپ کو سیدھے سادے مگر شگفتہ پھول نظر آئیں گے۔ لیکن ذرا چھیڑ کر دیکھئے شاعری کے کسی حسن کی بابت قبح کی بابت زبان و بیان کی بابت معائب و محاسنِ کلام کی بابت تو معلوم ہوگا یہ سیدھا سادہ شخص ایک طوفانِ بیکراں ہے۔ سب کچھ جانتا ہے کسی شعبۂ شعر سے بےخبر نہیں ہے۔ یوں تو جگر سے اکثر گھنٹوں صحبت رہی ہے۔ علمی ادبی گفتگو معائب محاسنِ کلام پر اظہارِ خیال اور پرستش کا سلسلہ ہمیشہ ہی جب ہم ملتے ہیں شروع

ہو جاتا ہے۔ مگر ایک پنجاب کے کسی مشاعرہ میں جگر میرے ہمسفر ہو گئے۔ ادھر
جگر پر سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ عجب باریک مخصوص سوال اور لطف
یہ کہ جب تک جواب سے مطمئن نہ ہو جائیں پیچھا نہ چھوڑیں۔ کئی گھنٹے کا سفر ہوا۔ سفر
سے واپسی اسی ماحول میں ہوئی۔ اور اس روز میں نے سمجھا کہ جگر کو حصولِ معلومات
کا کتنا بے پناہ شوق ہے۔ اور اسی لئے میں نے لکھا کہ میں جگر کو جاننے کی طرح
جانتا ہوں۔ میرے اس بیان سے یہ نہ سمجھ لیجئے کہ جگر ہر کسی سے کوئی بات پوچھنا
گوارا کر لیں گے نہ یہ بات نہیں وہ خوددار بھی ہیں۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ جب
انہیں اپنے گھر سے سب کچھ مل سکتا ہے تو ہم کسی کے آگے ہاتھ پھیلا کر کیوں
اپنا پلہ ہلکا کریں۔ میری بات الگ ہے میں جگر کے ہی گھرانے کا ایک فرد ہوں
برادرِ عزیز ساحر سیالکوٹی کو میں جتنا اپنے قریب پاتا ہوں اس سے جگر واقف
ہیں۔ پھر وہ موقع ہاتھ آنے پر مجھے کیوں بخشیں۔

ہر شخص کی ذہانت۔ مذاق۔ شوق جداگانہ ہوتا ہے۔ چار شاعر ایک
ساتھ شعر گوئی شروع کرتے ہیں۔ ایک ان میں سب سے آگے بہت جلد نکل جاتا
ہے۔ ایک برسوں سر مارتا ہے مگر کچھوے کی چال سے زیادہ اس کی رفتار
نہیں بڑھتی۔ وہ درمیانی منزلوں میں رہ جاتے ہیں۔ مجھے اندازہ بھی ہے اور
اعتراف بھی کہ جگر ان میں ہیں جو میدان میں سرپٹ دوڑ کر برسوں کا راستہ مہینوں
میں طے کر کے منزل مار لیتے ہیں۔ ورنہ جس عمر میں جگر آج ہیں اس عمر کے
شاعر کی تو زبان کی موچ بھی نہیں نکل پاتی۔ صاحبِ نظر ہو جانا تو دور کی
بات ہے۔

آیئے جگر کے کچھ شعر بھی سن لیجئے ؎

بڑھنے کو بشر چاند سے بھی آگے بڑھا ہے
یہ دیکھیئے کردار بڑھا ہے کہ گھٹا ہے

عصرِ حاضر کے انسان کا طنز میں بھرپور جائزہ ؎

حسرتوں کا ہو گیا ہے اِس قدر دِل میں ہجوم
سانس رستہ ڈھونڈتی ہے آنے جانے کیلئے

کیا داد دی جائے اس بالغ نظری اور نازک بیانی کی جس کو واقعہ بنادیا ہے۔ مبالغہ کا کتنا حسین پہلو اجاگر کیا ہے کہ عجب

یوں پڑا ہوں اُس آستانے پر
جیسے پتھر ہو آستانے کا

ذرا عشق اور احترام و طلبِ حسن کی انتہا و ضع داری کا حسین اشارہ کہ جیسے پتھر اٹھ کر آستانے سے نہیں جاتا مجھے بھی جانا نہیں ؎

محشر میں اپنی اپنی پڑی تھی ہر ایک کو
یہی پاس تلاش میں تھا کہ وہ نازنیں ملے

عشق کامل نام ہی اس کا ہے کہ اپنی مصیبت کی پرواہ نہ ہو اور محبوب کی دُھن لگی ہو خواہ وہ محشر ہی کی مصیبت کیوں نہ ہو ؎

جھکتے ہیں آدمی ہی کے قدموں پہ آدمی
پھر بھی یہ لوگ کہتے ہیں بندہ خدا نہیں

یہ اُن کے منہ پہ جوتا رسید کیا ہے جو خدا کا کام بندوں سے لیکر

فضول خرچ دُنیا پرستوں کو سبق ۔

یہ بطور نمونہ چند شعر پیش کر دئے ہیں۔ ورنہ اس مجموعہ میں آپ کو سب ایک سے ایک بہتر شعر ملیں گے۔ مختلف مضمون کے متعلق مختلف تجربات ہیں سبق آموز بھی اور غم سوز بھی ۔

میں خدا سے دُعا کرتا ہوں کہ جگر کا یہ مجموعہ قبول عام و خاص کی سند حاصل کرے تاکہ وہ اپنا اگلا قدم اس سے بہتر صورت میں بڑھائیں۔ ہمیں جگر سے بڑی توقعات ہیں۔ اچھا۔ خدا حافظ۔

ابر احسنی گنوری

۲۰-۱۰-۷۱

شری دھرم پال جگر جالندھری

از:- سحر البیان جناب رگھبیر داس صاحب ساحر سیالکوٹی

شری دھرم پال جگر جالندھری جو اس وقت پنجاب سٹیٹ بجلی بورڈ پٹیالہ میں ملازم ہیں میرے قابل اور ذہین عزیزوں میں سے ہیں۔ شعر و شاعری کا شوق انہیں طالب علمی کے زمانہ سے ہے۔ مگر باقاعدگی سے اس فن میں مہارت انہوں نے تعلیم سے فارغ ہو کر ہی حاصل کی شعر کے لئے ان کی طبیعت نہایت موزوں ہے۔ فنِ عروض سے بھی گہری دلچسپی اور واقفیت رکھتے ہیں۔ ذہین ہونے کی وجہ سے انہوں نے میری ہر ایک ہدایت کو اس طرح قبول کیا اور گرہ میں باندھا کہ ایک دفعہ بتایا ہوا سقم پھر انہوں نے اپنے کلام میں نہیں آنے دیا۔ اور یہی ایک راز ہے جو ہر مبتدی کو جلد سے جلد پختگی کی منزل کی طرف لے جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جگر بہت سے میرے دیگر عزیزوں کے بعد شاعری کی دوڑ میں شامل ہوئے مگر بہت ہی قلیل عرصہ میں وہ صفِ اول کے لوگوں کے ساتھ شانہ بشانہ چلتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔

چند لفظوں کو کسی وزن میں موزوں کرنے کو شعر نہیں کہتے شعر میں شعریت کا ہونا ضروری ہے اور شعریت پر قابو پانا ہر شخص کے

ہے۔ جیساکہ قبلہ نے مندرجہ بالا شعر میں فرمایا ہے۔ "حسنِ معنی" بہت حد تک "حسنِ بیاں" ہی پر مبنی ہوتا ہے۔

موزوں الفاظ کے انتخاب اور اُن کی بندش کی چستی سے اہلِ فن شعر کو جادو اثر بنا دیتے ہیں۔ اور ایک سادہ سے سادہ لفظ کو اتنا خوبصورت اور بلیغ کر دیتے ہیں کہ وہ شعر کی جان بن کر رہ جاتا ہے۔ ایک شعر سنیئے سہ

میخانے کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغ
ہر شخص پوچھتا ہے کہ حضرت ادھر کہاں

داغ کا یہ شعر فصاحت اور بلاغت کا ایک بہترین نمونہ ہے "بھلے کو" عامیانہ الفاظ ہیں مگر یہاں یہی ٹکڑا (شعر کی) جان بن گیا ہے۔ اور یہ اُس بات کو واضح طور پر کہہ رہا ہے جو شعر میں کہیں نہیں کہی گئی شعر میں اتنے الفاظ نہیں ہیں جتنے اس شعر کے معنی بیان کرنے میں استعمال ہوں گے یہی شعر کی صحیح تعریف ہے اور یہی حسنِ بیاں کا اعجاز ہے۔ یہی وہ مرقع سازی ہے جو شاعر کے حصہ میں آئی ہے۔

جگر شعر کے عیوب و محاسن سے خوب واقف ہیں اور وہ شعر کی تکمیل میں "حسنِ معنی" اور "حسنِ بیاں" دونوں چیزوں پر یکساں نظر رکھتے ہیں۔ اگرچہ اُن کو نظم پر بھی عبور حاصل ہے مگر اُن کا میدانِ سخن غزل ہی ہے۔ نمونہ کے طور پر اُن کے چند اشعار کا ذکر کرنے کو جی تو چاہتا تھا لیکن اس خیال سے کہ مضمون زیادہ طویل نہ ہو جائے۔ اور مزید برآں حبیب عزیز جگر کو بزرگوارم ابو الفصاحت جناب قبلہ جوش ملسیانی اور برادرِ مکرم صاحب

ان جناب مولانا ابر احسنی گنوری دادِ سخن دے چکے ہیں۔ تو پھر میرے کچھ کہنے کی اصلاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

حجبر کا کلام اب تقریباً تمام عیوب سے پاک ہوتا ہے اور بہت سی غزلیں ایسی ہوتی ہیں جن میں ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی بیشتر ایسی غزلیں داد دیکر بغیر ترمیم واپس کردیتا ہوں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ دُعاگو ہوں کہ حجبر صاحب کا کلام ادبی حلقوں میں وہی مقبولیت حاصل کرے جس کا وہ صحیح طور پر مستحق ہے۔

رگھبیر داس ساحر سیالکوٹی
سنٹرل ٹاؤن۔ جالندھر

جگر جالندھری کی شاعری

از۔ جناب ہما ہرنالوی

عزیز جگر جالندھری کو میں اُس وقت سے جانتا ہوں جب اُنہوں نے مشقِ سخن کا آغاز کیا تھا۔ اور مجھے یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی تھی۔ کہ ابتدا ہی میں اُن کا کلام کئی خوبیوں کا حامل ہے۔ اب تو وہ بہ فضلِ خدا ترقی کی بہت سی منزلیں طے کر چکے ہیں۔ اور ان کی طبیعت کافی نکھر چکی ہے۔

جگر صاحب مشقِ سخن کے ساتھ ساتھ ادبی کُتب کا مطالعہ بھی بڑی باقاعدگی سے کرتے ہیں۔ اُنہیں زبان و فن کی تحقیق کا شوق بھی جنون کی حد تک ہے۔ وہ متروک الفاظ کے استعمال سے بھی گریز کرتے ہیں۔ میں نے اُن کی طبیعت کو جملہ اصنافِ سخن میں کامیاب دیکھا ہے۔ ان کے کلام کو اگر زبان کی صفائی اور خیالات کی ندرت کا دلکش مرقع کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ اُن کی طبیعت کا ایک اور امتیازی وصف جسے خداداد کہنا چاہیئے یہ بھی ہے کہ وہ نہایت مشکل اور پیچیدہ بحروں میں بھی بہ آسانی شعر کہہ سکتے ہیں۔ اُنہیں اس وصف کی داد حضرت جوش ملسیانی جیسے عظیم المرتبت اُستاد سے بھی مل چکی ہے۔ اور اُن کے لئے کچھ کم دقعہ ناز نہیں۔

یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں نے جگر صاحب کے متعلق جس رائے

کا اظہار مندرجہ بالا سطور میں کیا ہے اس کے ثبوت میں اُن کے چند اشعار بھی پیش کروں۔

آنسو جب آنکھ سے گرتا ہے تو لرزتا ہوا گرتا ہے۔ یہ ایک بہت پامال مضمون ہے اور اسے بیشتر شعرا نے اپنے اشعار میں باندھا ہے مگر کسی نے بھی آج تک یہ واضح نہیں کیا کہ آنسو کے لرزنے کا سبب کیا ہے۔ اس معمے کو جگر صاحب نے حل کیا ہے اور اتنے مؤثر انداز سے کیا ہے کہ داد دینے کیلئے الفاظ نہیں ملتے۔ وہ کہتے ہیں ؎

منظور کسی کو بھی نہیں خاک میں ملنا
آنسو بھی لرزتا ہوا آنکھوں سے گرا ہے

یعنی کوئی بھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ وہ خاک میں مل جائے۔ آنسو بھی آنکھ سے گرنے کے بعد خاک میں مل جاتا ہے اور اُس کی ہستی فنا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لرزتا ہوا گرتا ہے۔ مصرعِ اوّل میں کسی کو بھی کے الفاظ نے مضمون شعر کو جو وسعت عطا کی ہے۔ وہ بھی خاص طور پر قابلِ تحسین ہے۔

خدا کو آج تک دیر و کعبہ ہی میں تلاش کیا جاتا رہا ہے۔ اور آئندہ بھی کیا جاتا رہے گا۔ مگر جگر صاحب کو یہ ہر دو مقامات اس تلاش کے سلسلے میں سراسر غلط اور بے سود نظر آئے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اپنے نہاں خانۂ دل ہی میں خدا کو پالیا ہے۔ اپنی اس کامیابی کی بنا پر وہ ایک نہایت مختصر مگر جامع شعر میں خدا سے استفسار کرتے ہیں ؎

دیر و کعبہ میں تجھے کیوں ڈھونڈوں؟
کیا مری ذات تری ذات نہیں؟

حق تو یہ ہے کہ اُن کے اس استفسار کا جواب کسی طرح ممکن نہیں۔ صوفیانہ شاعری میں یہ شعر ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ مصرعِ ثانی تو وجدانی کیفیت کا حامل ہے۔

اگرچہ اظہارِ خیال کے بے شمار انداز ہیں مگر اُن میں مشکل ترین انداز جو کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ یہ ہے کہ کچھ نہ کہکر بھی سب کچھ کہہ جانا۔ اس ضمن میں جگر صاحب کا منقولۂ ذیل شعر اپنا جواب نہیں رکھتا ؎

کچھ تو ہے سبب کہ زخمِ دِل کا
مِنّت کشِ چارہ گر نہیں ہے

مصرعِ اوّل کے شروع میں کچھ تو ہے سبب کا ٹکڑا اتنا بلیغ اور جامع ہے کہ اُس کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔ اگرچہ شعر میں ایسی کوئی وجہ بیان نہیں کی گئی کہ "دل" کا زخم کیوں چارہ گر کا منّت کش نہیں ہے مگر اس کے باوجود شعر کو پڑھنے والا فوراً اس نکتے کو سمجھ جاتا ہے کہ دل کا زخم چونکہ عام زخم کی طرح تکلیف دہ نہیں بلکہ راحت بخش اور دل کشا ہوتا ہے لہذا وہ چارہ گر کا شرمندۂ احسان نہیں ہو سکتا۔ اس شعر کو اگر بلاغت کی جان کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

سحر ہونے پر ستاروں کا ڈوب جانا ایک قدرتی بات ہے مگر جگر صاحب نے غالباً اپنے تجربے کی بنا پر اس بات کو یکسر غلط ثابت کر دکھایا

ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

اُن کے آنے پہ بھی آنسو مرے بہتے ہی رہے
ڈوب جاتے ہیں ستارے تو سحر ہونے تک

شبِ فرقت میں انہیں اپنے محبوب کی یاد ستا رہی تھی۔ اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اسی عالم میں اچانک ان کا محبوب آ گیا۔ اور شبِ فرقت کی سحر ہو گئی۔ مگر اس کے باوجود ان کی اشک باری کا سلسلہ ختم نہ ہوا۔ گویا ان کے آنسو وہ ستارے تھے جو سحر ہونے پر بھی ڈوب نہ پائے۔ اس شعر کا مضمون حقیقت پسندی ہونے کی وجہ سے کتنا دل گداز اور پُر تاثیر ہے۔ محبوب کی جدائی میں بہنے والے آنسو غم کے آنسو ہوتے ہیں لیکن جو آنسو محبوب سے ملاقات ہونے پر بہتے ہیں خوشی کے آنسو ہوتے ہیں۔

مجھے یہ معلوم کر کے دلی مسرت ہوئی ہے کہ جگر صاحب کا کلام عنقریب ہی زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پہ آ رہا ہے۔ دعا گو ہوں کہ وہ دُنیائے ادب میں زیادہ سے زیادہ مقبول ہو۔

طاہر نالوی

جالندھر (۲۷-۵-۳۰)

جنابِ جگرؔ جالندھری میری نظر میں

از:- جناب وفاؔ پٹیالوی

جناب جگرؔ جالندھری کا نام زبان پر آتے ہی مجھے اُس مشاعرے کی
یاد آجاتی ہے جو جالندھر میں دس گیارہ برس پہلے یومِ آزادی کے سلسلے میں
منعقد ہوا تھا۔ میری تقرری اُن دنوں بطور سٹی مجسٹریٹ جالندھر تھی۔ شعر و
شاعری سے اُنس کے علاوہ خود بھی شعر کہنے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن
اُس مشاعرے میں منتظمین نے مجھے ایک عہدیدار کی حیثیت سے مدعو کیا تھا
وہ ایک انڈو پاک مشاعرہ تھا۔ ہندوستان اور پاکستان کے بہت سے شاعر
تشریف لائے تھے۔ جنہیں سُننے کے لئے سامعین کا بے پناہ ہجوم تھا۔
مشاعرہ کا آغاز ہوا۔ اور رواج کے مطابق پہلے مقامی شعرا حضرات نے ا
اپنا کلام سُنانا شروع کیا۔ لیکن ابھی ماحول ٹھیک نہیں ہوا تھا اور کچھ احباب
پنی باتوں میں مصروف تھے کہ سٹیج سیکرٹری نے اعلان کیا کہ اب میں جناب جگر
جالندھری کو دعوتِ کلام دے رہا ہوں۔ تمام سامعین چوکس ہو گئے اور
ہمہ تن گوش ہو کر کلام کو سُننے لگے۔ میں نے بھی دیکھا کہ ایک جواں سال
نہایت خوبرو انسان اپنے مخصوص انداز میں شعر سُنا رہا ہے۔ ہر شعر پر

معنویت اور جاذبیت تھی۔ احساس تھا۔ جذبات کی شدت تھی اور کلام میں پختگی۔ سامعین کی طرف سے ہر شعر پر بے پناہ داد مل رہی تھی۔ اور شعرا حضرات تقریباً ہر شعر کو دوبارہ پڑھنے کی فرمائش کر رہے تھے۔ غزل ختم ہو گئی لیکن شاعر کو کافی دیر تک خراجِ تحسین ملتا رہا۔ مشاعرے میں دیگر شعراء اور اساتذہ نے بھی اپنا کلام سنایا جس سے میں بہت محفوظ ہوا۔ لیکن جگر صاحب کے کلام سے بے حد متاثر ہوا۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ آپ شری دھرمپال مرفاہ ہیں۔ جگر جالندھری تخلص کرتے ہیں۔ تقسیم وطن کی وجہ سے تارک الوطن ہو کر جالندھر میں قیام رکھنے کی وجہ سے اپنے تخلص کے ساتھ جالندھری لکھتے ہیں۔ اور جناب ساحر سیالکوٹی صاحب کے قابل شاگرد ہیں۔ جگر صاحب کے کلام کی چاشنی اور پختگی کا احساس کر کے میرے دل میں جناب ساحر سیالکوٹی کی عظمت میں بہت اضافہ ہوا۔ اور خود کو آنجناب سے وابستہ کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ گو میں پہلے ہی سے اُن کی سادگی، شرافت اور بلیغ کلام کا دلدادہ تھا لیکن میں ابھی اس ارادہ کی تکمیل کے لئے جناب ساحر صاحب کو گذارش نہ کر پایا تھا کہ میرا تبادلہ بطور ایس ڈی ایم بھوانی ہو گیا۔ وہاں ماحول ہی کچھ اور تھا۔ ویسے تو وہاں کے پڑھے لکھے لوگ اردو زبان اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔ لیکن وقتی سیاست کے پیش نظر اردو سے عدم وابستگی کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ سرکاری کام کاج میں تو وقت گذرتا ہی تھا لیکن میں اپنے ذوقِ ادب میں خلا محسوس کرنے لگا۔ ایک دن پھر جالندھر کے مندرجہ بالا مشاعرے کی یاد آئی اور جناب جگر جالندھری کے اشعار ذہن میں گھومنے لگے۔ ذہنی تاریکی کو دور کرنے کے لئے میں نے جناب

ساحر سیالکوٹی صاحب کی خدمت میں چند اشعار برائے مشورہ اصلاح ارسال کئے۔ ساحر صاحب نے میری گذارش کو قبول کر کے میری حوصلہ افزائی کی۔

عدیم الفرصتی کے باوجود شعر کہنے کی ترغیب جناب جگر صاحب نے دی۔ خاص طور پر اُس وقت جب میں بھوپال سے ہند کی گردہ ہوتا ہوا پٹیالہ میں بطور ڈپٹی سیکریٹری پنجاب سٹیٹ الیکٹرسٹی بورڈ لگ کر آیا۔ جگر صاحب بھی وہیں ملازم تھے۔ اور آج بھی وہیں ہیں۔ وہاں مجھے جگر صاحب کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ بطور شاعر تو انہوں نے میرے دل میں اپنا مقام بنا ہی لیا تھا مگر روزمرہ کی ملاقات نے مجھے یہ احساس بھی کروا دیا کہ جگر صاحب ایک نہایت شریف ملنسار اور خوش اخلاق انسان بھی ہیں۔ اپنے بزرگوں کی بے حد عزت اور ہم عمر لوگوں اور عزیزوں سے پیار کرتے ہیں۔ انہیں اُردو زبان سے والہانہ محبت ہے۔ اچھا شعر کہنا۔ اچھے شعر کو پسند کرنا اور اچھا شعر کہنے کی ترغیب دینا اُن کی سب سے بڑی ہابی ہے۔ انہیں عقیدت ہے تو اچھے شعر سے۔ اچھے شاعر سے محبت صرف اُسی وقت ہے اگر وہ اچھا انسان بھی ہے۔ پارٹی بازی سے میری طرح انہیں بھی سخت نفرت ہے۔

میں نے جب بھی جگر صاحب سے اُن کا تازہ کلام سنا تو مجھے یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں بھی کچھ وقت نکال کر شعر کہوں۔ دورانِ ملاقات اُن کا پہلا سوال یہ ہوتا تھا "کوئی تازہ چیز سنائیے"۔ میں نے اُن کی اس ترغیب سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ اور خاص طور پر اس لئے کہ وہ فنِ شاعری میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ اور رموزِ شاعری سے پوری طرح واقف تھے۔ مشکل سے مشکل

زمین میں بہت اچھے اور سہل شعر کہنا جگر صاحب کا طرۂ امتیاز ہے۔

جناب جگر ہی کی تحریک کا اثر تھا کہ میں نے مارچ ۱۹۶۲ء میں پٹیالہ میں جناب ساحر سیالکوٹی کے اعزاز میں ایک عظیم الشان کل ہند مشاعرے کا اہتمام کیا۔ اور پھر انہیں کے تعاون سے اس کی روداد کو "جشن ساحر" کے نام سے شائع کروایا۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھے اپنے تبادلہ کی وجہ سے پٹیالہ چھوڑنا پڑا۔ کیونکہ اس سے میری اور جگر صاحب کی روزانہ ملاقات بند ہو گئی۔ ماحول کی تبدیلی کے ساتھ شعر گوئی میں کچھ کمی تو ضرور ہوئی لیکن اُس پرانی یاد کے صدقہ اور جناب ساحر صاحب کی رہنمائی میں مشقِ سخن جاری رہی اور میری تخلیقات کا ایک مجموعہ "گنجینۂ وفا" کے نام سے منظرِ عام پہ آیا۔ مجھے بے حد خوشی ہے کہ جگر صاحب اپنا مجموعہ کلام شائع کروا رہے ہیں۔ اور مجھے یہ کہنے میں بالکل تامل نہیں کہ ان کے کلام کی اشاعت اردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ کرے گی۔ اور ان کے کلام کی اشاعت اربابِ ذوق سے بے پناہ تحسین حاصل کریں گے۔

آر۔ ڈی سیال وفا پٹیالوی

ہوشیارپور۔ ۱۵۔ اپریل ۱۹۷۲ء

کچھ اپنی طرف سے

از: جگرؔ جالندھری

پچھلے صفحوں پر میرے اساتذہ، بزرگوں اور کرمفرماؤں نے میرے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے بعد میری طرف سے کچھ سپردِ قلم کرنے کی گنجائش تو نہیں رہی تاہم کچھ ایسی باتیں ہیں جن کا مذکور ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ ہیں میرے مختصر حالاتِ زندگی اور چند دیگر باتیں۔

میرا نام دھرمپال ذات کھتری (مروہا) ہے۔ ۱۸ جنوری ۱۹۳۵ء کو ضلع امرتسر میں دریائے راوی کے کنارے واقع ایک گاؤں سارنگ دیو میں لالہ دلیراج مروہا کے گھر پیدا ہوا۔ پانچویں تک تعلیم گاؤں کے سکول میں حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء کی تقسیم نے گاؤں چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ جالندھر چلا آیا۔ چھٹی جماعت سے لیکر بی۔اے تک تعلیم جالندھر میں حاصل کی۔ سائیں داس اسکول اور ڈی اے وی کالج جالندھر کا طالبعلم رہا۔ ۱۹۷۰ء میں پنجابی یونیورسٹی سے امتیازی پوزیشن کے ساتھ ایل ایل بی (وکالت) کا امتحان پاس کیا۔ آج کل پٹیالہ میں واقع پنجاب سٹیٹ الیکٹرسٹی بورڈ کے دفتر میں ملازم ہوں۔

چونکہ میری ادبی زندگی کا آغاز جالندھر میں ہوا۔ اس مناسبت سے تخلص کے ساتھ جالندھری لکھتا ہوں۔ یہ تخلص قبلہ جوش ملسیانی صاحب کی دین ہے۔

شعر و شاعری کا شوق بچپن سے ہے۔ پہلے کلام پر اصلاح ابوالفصاحت جوش ملسیانی صاحب سے لیتا رہا۔ ۱۹۵۲ء میں قبلہ نے مجھے اپنے قابل شاگرد سحر البیاں جناب رگھبیر داس صاحب ساحر سیالکوٹی (جو بذاتِ خود ایک مستند استاد ہیں) کے سپرد کر دیا۔ جب سے جناب ساحر صاحب کے دامنِ فیض سے وابستہ چلا آ رہا ہوں۔ گاہے بگاہے قبلہ جوش صاحب سے ادبی اور فنی سلسلے میں مستفید ہو لیتا ہوں۔

جناب ساحر سیالکوٹی صاحب سے میں نے جو فیض اٹھایا ہے اور اب بھی اٹھا رہا ہوں اس کو بیان کرنے کے لئے میری زبان اور میرا قلم دونوں قاصر ہیں۔ آنجناب نے مجھے شعر کے حسن و قبح سے روشناس کرایا۔ فن سے آگاہ کیا۔ اپنی سحر طرازیوں سے ذرہ میں آفتاب کی آب و تاب پیدا کی۔ شوخیِ رفتار بخشی۔ جس کے طفیل میں نے منزل کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ مجھے یہ بات کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ یہ کلام جسے منظرِ عام پر کتابی صورت میں لایا جا رہا ہے جناب ساحر صاحب ہی کا فیض ہے۔ خدائے برتر سے میری دعا ہے کہ وہ ایسی برگزیدہ ہستیوں کو تاحشر سلامت رکھے تاکہ مجھ جیسے نہالانِ باغِ سخن کی آبیاری ہوتی رہے۔ اور اردو شاعری کا چمن سرسبز و شاداب رہے۔

میری ہر ممکن یہی کوشش رہی ہے کہ کلام میں کسی قسم کا ادبی سقم نہ

آتے پائے - آخر انسان ہوں - اور انسان کے لئے گناہ کا مرتکب ہونا بھی ضروری ہے شعر کی دیگر خوبیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے دانستہ ایسا گناہ ضرور کیا ہے - اس لئے ان نکتہ چیں حضرات کی خدمت میں جو شعر کی دیگر خوبیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف ادبی سقم پر ہی نظر رکھتے ہیں گزارش کروں گا کہ مجھ پر اس طرح کی الزام تراشی سے پہلے شعر کی دوسری خوبیوں کو ضرور ملحوظ خاطر رکھیں -

اس مجموعۂ کلام کی اشاعت ایک ایسی ہستی کی مرہونِ منت ہے جو ایک اچھے شاعر ہونے کے علاوہ بہت بڑے شاعر نواز بھی ہیں وہ ہیں جناب آر۔ ڈی سیال صاحب وفا پٹیالوی۔ بہت سی ادبی کتب اور لاتعداد وسیع پیمانے کے مشاعرے آپ کی ادب نوازی کا ثبوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں عمر خضر عطا کرے تاکہ وہ اردو ادب میں گراں قدر اضافہ کر سکیں۔

میں جناب سہاہر نالوی صاحب کا بڑا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ادب اور فن میں میری کافی حد تک رہنمائی کی - وہ مجھ سے بے حد محبت کرتے ہیں اور یہ ان کا خاص کرم ہے۔

آخر میں اپنا یہ شعر لکھ کر کلام اہلِ نظر کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ؎

مجھ کو کچھ اور تو کہنے کی ضرورت ہی نہیں
میں ہوں کیا یہ مرے اشعار بتا دیتے ہیں

جگر جالندھری

پٹیالہ - ۲ مئی ۱۹۷۳ء

سفرِ زندگی کا بہت پُرخطر ہے
ہر اک گام پر اس میں رہزن کا ڈر ہے
اجل آئے گی شک نہیں اس میں لیکن
اجل آئے گی کب کسے یہ خبر ہے
چلے ہیں جہاں سے کچھ ارماں لے کر
یہی ہم غریبوں کا زادِ سفر ہے
دل آدمی ہے کس قدر یہ تعلق
کوئی منتظر ہے کوئی منتظر ہے

ہم آئے بھی روتے ہوئے اس جہاں میں
مگر وقتِ رخصت بھی آنکھ اپنی تر ہے

سب کو ممنونِ عنایت آپ کا پایا گیا
اک ہمیں تھے جن کی ہر خواہش کو ٹھکرایا گیا
بے نشاں ہم خود بھی اس کی جستجو میں ہو گئے
سخت حیرت ہے کہ اس پر بھی نہ وہ پایا گیا
صرف باغِ آرزو ہی پر خزاں چھائی رہی
موسمِ گل ہر چمن میں بارہا آیا گیا
زندگی کی تلخیوں سے مل گئی دل کو نجات
یہ اثر جامِ شرابِ تلخ میں پایا گیا
گرتے گرتے رکھ دیا سر پائے ساقی پر جگر
میں ہوں وہ بے ہوش جس کو ہوش میں پایا گیا

○

اک بے وفا نے ہم کو رُلایا ہزار بار
آنکھوں سے ہم نے خون بہایا ہزار بار
ہم آج تک نہ تم کو فراموش کر سکے
گو تم نے ہم کو دل سے بھلایا ہزار بار
پھر بھی نہ اپنے سوزِ جگر میں کمی ہوئی
احسانِ چشمِ تر کا اُٹھایا ہزار بار
محروم جَور سے بھی ہمیں اُس نے کر دیا
یوں بھی ہمارے دل کو ستایا ہزار بار
اپنی ہی آنکھ تابِ نظارہ نہ لا سکی
پردہ تو اُس نے رُخ سے اُٹھایا ہزار بار
ہم کو نہ داغِ دل سے جگر روشنی ملی
گو ہم نے یہ چراغ جلایا ہزار بار

عیش و راحت میں بشر کی سرکشی جاتی نہیں
ٹھوکریں کھائے نہ جب تک عقل اُسے آتی نہیں

اب ترے مستوں کی مستی اک معمّہ بن گئی
اب ترے مستوں کو تیری یاد بھی آتی نہیں

راحت افزا تھا تصوّر بھی ترا جس کے لئے
اب تو قربت بھی تری اُس دِل کو بہلاتی نہیں

موت کی آمد کا بھی جاتا رہا اب اعتبار
اب شبِ غم کی سحر ہوتی نظر آتی نہیں

ایک مری آہوں کا طوفاں اور یہ سیلابِ اشک
کشتیِ دِل اب مجھے بچتی نظر آتی نہیں

اک طرف برقِ تپاں ہے اک طرف صیاد ہے
اب تو بچنے کی کوئی صورت نظر آتی نہیں

یاس و غم کی بجلیاں جب تک نہ اُس کو پھونک دیں
اے جگر باغِ تمنّا میں بہار آتی نہیں

چاروں طرف جہاں میں ترا ہی ظہور تھا
دیکھا نہ آنکھ نے تو یہ اُس کا قصور تھا

کیونکر نگاہِ شوق اُسے دیکھتی کہیں
وہ تو خیال کی بھی رسائی سے دور تھا

پوچھو نہ کس بنا پہ ہوئے موردِ عتاب
ہم بے قصور تھے یہ ہمارا قصور تھا

تنویرِ حسن بھی تو نہ کم تھی نقاب سے
مانا کہ بے نقاب وہ آیا ضرور تھا

دانستہ ہم تباہ ترے عشق میں ہوئے
دل کا قصور تھا نہ نظر کا قصور تھا

ساقی کی پُر خمار نگاہوں کے فیض سے
ہر وقت بے پیے ہی جگرؔ کو سرور تھا

گلے شکوے عبث ہیں اے دلِ نافہم! یاروں سے
سب آنکھیں پھیر لیتے ہیں غمِ الفت کے ماروں سے
انہیں کو گل بہ دامن دیکھتا ہوں باغِ ہستی میں
الجھ پڑتے ہیں بے خوف و خطر جو لوگ خاروں سے
کسی کی یاد تھی دل میں کوئی آنکھوں میں پھرتا تھا
شبِ فرقت مرا جی کیا بہلتا چاند تاروں سے
ہجومِ لالہ و گل دیکھ کر یہ سوچتا ہوں میں
مرا ہی باغِ دل نا آشنا کیوں ہے بہاروں سے
یقیں کیوں نہ سمجھوں اپنے دل کا خاک ہو جانا
لگی ہے آگ اس گھر کو محبت کے شراروں سے
جگر اک دن عیاں ہو جائے گا رازِ غمِ الفت
چھپاؤ گے اسے کب تک تم اپنے غمگساروں سے

نظر ہی نہیں وہ جو قاتل نہیں ہے
جگر ہی نہیں وہ جو بسمل نہیں ہے
سفینہ وہ ہوں جس کا ساحل نہیں ہے
مسافر وہ ہوں جس کی منزل نہیں ہے
تقاضا کیا اُن سے دل کا تو بولے
"مرا دل ہے اب یہ ترا دل نہیں ہے"
محبت کے دریا میں ساحل نہ ڈھونڈو
محبت کے دریا میں ساحل نہیں ہے
حسیں تو بہت ہیں زمانے میں لیکن
کوئی تیرا مدِ مقابل نہیں ہے
جفا بھی تری ایک نعمت ہے مجھ کو
وفا بھی مری تیرے قابل نہیں ہے
بڑا سخت مشکل ہے مر مر کے جینا
محبت میں مرنا تو مشکل نہیں ہے

سنا تو نے مجھے کہتی ہے دنیا تیرا دیوانا
کہے تو بھی تو ہو جائے مکمّل میرا افسانا

سرِ محفلِ نقابِ روئے تاباں تم نہ سرکانا
سمجھ کر شمع روشن آ نہ جائے کوئی پروانا

سرورِ عشق مجھ کو ہے غرورِ حسن تجھکو ہے
اِدھر مَیں بھی ہُوں مستانا اُدھر تو بھی ہے مستانا

انوکھی بات یہ دیکھی جہانِ عشق میں ہم نے
جو دیوانا وہ فرزانا جو فرزانا وہ دیوانا

تو رنج و غم میں کیوں نہ نکلیں آنکھ سے آنسو
چھلک جاتا ہے جب لبریز ہو جاتا ہے پیمانا

[illegible]ش کی ہوس اس کو نہ شہرت کی طلب اسکو
بھری محفل میں خاموشی سے جل جاتا ہے پروانا

[illegible] یاس و حسرت سے یہ صورت ہے مرے دل کی
کہ آبادی کی آبادی ہے ویرانے کا ویرانا

[illegible] بت کدے والے اِک [illegible] کو سجدہ کرتے ہیں
[illegible] نہیں [illegible] نہیں [illegible] کی یہ کعبہ ہے کہ بت خانا

[illegible] کفر کی [illegible] کیوں ہو
[illegible] دیا [illegible] [illegible]

معجزے جوشِ بہاراں کے نمایاں ہو گئے
چاک ہر سو دامن و جیب و گریباں ہو گئے

مجھ کو بے داد و ستم کی جب شکایت ہی نہ
آپ بے داد و ستم پر کیوں پشیماں ہو گئے

یہ کرشمہ بھی دکھایا چشمِ باطن نے ہمیں
قطرے دریا بن گئے ذرّے بیاباں ہو گئے

آج تک لب پر نہیں آئے محبت کے جو را
چشمِ گریاں کی بدولت سب نمایاں ہو گ

عرفہ عالم تھا ہمارا عالمِ دیوانگی
گاہ خنداں ہو گئے ہم گاہ نالاں ہو گئے

شکریہ کیونکر ادا ہو آپ سے اس لطف
دل میں آئے دل میں ٹھہرے دل کے ارماں ہو گ

اشکِ رنگیں کا جگر یہ فائدہ کچھ کم نہیں
اشکِ رنگیں داستانِ غم کا عنواں ہو گئے

بے وجہ تو نہیں ہے جہاں انقلاب میں
رکھا ہے خیر سے قدم اُس نے شباب میں
راحت کسے ملی ہے جہانِ خراب میں
وہ کون ہے نہیں جو غم و اضطراب میں
دیکھی جو ہم نے اُس رُخِ تاباں میں آب و تاب
وہ ماہتاب میں ہے نہ ہے آفتاب میں
ہر وقت بے پیئے مجھے رہتی ہے بے خودی
صہبائے تُند کا سا نشہ ہے شباب میں
نغمات آج تک وہ کسی نے سُنے نہیں
خوابیدہ ہیں جو دل کے شکستہ رباب میں
کس رند بادہ نوش کی باری ہے ساقیا!
کیفِ نگاہ ڈال رہا ہے شراب میں
میں خواب میں بھی سوچ نہ سکتا تھا ایسی بات
ڈھائیں گے آپ جو رو ستم مجھ پہ خواب میں

اے شیخ! وہ طویل عبادت میں بھی کہاں
پنہاں ہے جو سرور ذرا سی شراب میں

اپنی مصیبتوں کا گلہ کیا کسی سے ہو
آرام سے ہے کون جہانِ خراب میں

پھر بھی ہیں رازِ اشک فشانی سے بے خبر
رہتے ہیں آپ گو مری چشم پُر آب میں

کیا جانے دشمنوں نے انہیں کیا پڑھا دیا
ہوتی تھی اتنی دیر نہ خط کے جواب میں

رندوں پہ آشکار نہیں اے جگر یہ راز
اپنی ہی کیفیت کا اثر ہے شراب میں

زمانے کو اپنا بناتا چلا جا
محبت کا جادو جگاتا چلا جا

یونہیں ناز سے مسکراتا چلا جا
ہر اک دل پہ بجلی گراتا چلا جا

محبت میں آنسو بہاتا چلا جا
یہ انمول موتی لٹاتا چلا جا

چلا تیر پہ تیر نظروں کے ہر سُو
ہر اک دل کو تیر کشش بناتا جا

مجھے پوچھتا کیا ہے رہ رہ کے ساقی
پلاتا چلا جا - پلاتا چلا جا

اگر عار ہے دل ملانے سے تجھکو
نظر سے نظر ہی ملاتا چلا جا

جگر جوشِ وحشت یہ کہتا ہے مجھکو
کہ دامن کے پُرزے اڑاتا چلا جا

داد الفت کی پا رہا ہوں میں
ان کو بھی یاد آ رہا ہوں میں

خود سے گو دور جا رہا ہوں میں
تیرے نزدیک آ رہا ہوں میں

کس قدر احترام ہے غم کا
غم میں بھی مسکرا رہا ہوں میں

خاک ہونا بھی رائیگاں نہ گیا
سارے عالم پہ چھا رہا ہوں میں

مل ہی جائے گا یوں سراغ ترا
اپنی ہستی مٹا رہا ہوں میں

کیوں نہ رشکِ چمن ہو کنجِ قفس
اشکِ خوں میں نہا رہا ہوں میں

شبِ فرقت میں روشنی کیلئے
داغِ دل کے جلا رہا ہوں میں

دل پہ حسرت کا داغ لیکے جگر
باغِ ہستی سے جا رہا ہوں میں

یہی اک کام ہم رندوں کا وقتِ شام ہوتا ہے
صراحی سامنے ہاتھوں میں اپنے جام ہوتا ہے
کوئی عالم بھی ہو لیکن مرے دل میں مرے لب پر
تری ہی یاد ہوتی ہے ترا ہی نام ہوتا ہے
انوکھی داستاں ہے داستانِ عاشقی یارب!
جو آغاز اس کا ہوتا ہے وہی انجام ہوتا ہے
برائی کرنے والے یاد رکھیں اس حقیقت کو
برائی کرنے والوں کا برا انجام ہوتا ہے
اثر پیدا نہ ہونے پائے یارب میری آہوں میں
کوئی محوِ تغافل اس طرح ناکام ہوتا ہے
سکوتِ ناز کا راز اے جگر جب فاش ہو جائے
سکوتِ ناز بھی اک دل نشیں پیغام ہوتا ہے

ارادہ جب کبھی کرتا ہوں دل میں ترکِ اُلفت کا
کوئی پھر پیار کی نظروں سے مجھ کو دیکھ لیتا ہے

آپ کا اِنتظار کون کرے — دِل کو اُمیدوار کون کرے
پاس قول و قرار تم کو نہیں — تم سے قول و قرار کون کرے
دیکھ کر گُل کے چاکِ دامن کو — آرزوئے بہار کون کرے
جس کی تقدیر میں ہو غرقابی — اُس سفینے کو پار کون کرے
کوئی آنسو تو پونچھتا ہی نہیں — آنکھ کو اشکبار کون کرے
مست کر دیں جسے تری آنکھیں — اُس کو پھر ہوشیار کون کرے
تیری باتوں پہ تیرے وعدوں پہ — بار بار اعتبار کون کرے
پیار کیا ہے یہ جانتے ہی نہیں — ان حسینوں سے پیار کون کرے
اس کی ہر موج ہے قیامت خیز — بحرِ اُلفت کو پار کون کرے
یہ زمانہ تو بے وفا ہے جگر — اس زمانے سے پیار کون کرے

یہی اک کام ہم رندوں کا وقتِ شام ہوتا ہے
صراحی سامنے ہاتھوں میں اپنے جام ہوتا ہے
کوئی عالم بھی ہو لیکن مرے دِل میں مرے لب پہ
تری ہی یاد ہوتی ہے ترا ہی نام ہوتا ہے
انوکھی داستاں ہے داستانِ عاشقی یارب!
جو آغاز اس کا ہوتا ہے وہی انجام ہوتا ہے
برائی کرنے والے یاد رکھیں اس حقیقت کو
برائی کرنے والوں کا بُرا انجام ہوتا ہے
اثر پیدا نہ ہونے پائے یارب میری آہوں میں
کوئی محوِ تغافل اس طرح ناکام ہوتا ہے
سکوتِ ناز کا راز اے جگر جب فاش ہو جائے
سکوتِ ناز بھی اک دل نشیں پیغام ہوتا ہے

ارادہ جب کبھی کرتا ہوں دل میں ترکِ الفت کا
کوئی پھر پیار کی نظروں سے مجھ کو دیکھ لیتا ہے

آپ کا انتظار کون کرے
دل کو امیدوار کون کرے

پاس قول و قرار تم کو نہیں
تم سے قول و قرار کون کرے

دیکھ کر گل کے چاکِ دامن کو
آرزوئے بہار کون کرے

جس کی تقدیر میں ہو غرقابی
اس سفینے کو پار کون کرے

کوئی آنسو تو پونچھتا ہی نہیں
آنکھ کو اشکبار کون کرے

مست کر دیں جسے تری آنکھیں
اس کو پھر ہوشیار کون کرے

تیری باتوں پہ تیرے وعدوں پر
بار بار اعتبار کون کرے

پیار کیا ہے یہ جانتے ہی نہیں
ان حسینوں سے پیار کون کرے

اس کی ہر موج ہے قیامت خیز
بحرِ الفت کو پار کون کرے

یہ زمانہ تو بے وفا ہے جگر
اس زمانے سے پیار کون کرے

جو ہے درویش بادہ خانے کا
اس کو غم کچھ نہیں زمانے کا

آپ آئے تو بن گیا خورشید
ذرّہ ذرّہ غریب خانے کا

رفتہ رفتہ مری جبینِ نیاز
بن گئی جزو آستانے کا

مے کشوں کی دعا قبول ہوئی
کھل گیا در شراب خانے کا

ظلم ہے یہ قفس نصیبوں پر
ذکر چھیڑو نہ آشیانے کا

یوں پڑا ہوں اس آستانے پر
جیسے پتھر ہو آستانے کا

دل نہیں ہے وہ اور ہی کچھ ہے
درد جس میں نہیں زمانے کا

یہ چمن زار یہ شبِ مہتاب
نام ایسے میں لو نہ جانے کا

دونوں عالم کی داستانِ طویل
اک ورق ہے مرے فسانے کا

مل کے اشکوں میں خونِ دل نے جگر
رنگ بدلا مرے فسانے کا

○

عشق اب بھی گو بشر نہیں ہے
محبوب بھی اس قدر نہیں ہے

پھر شکوۂ طولِ شامِ غم کیا
اس شام کی جب سحر نہیں ہے

کچھ تو ہے سبب کہ زخمِ دل کا
منّت کشِ چارہ گر نہیں ہے

پہنچا ہے جو تیرے آستاں تک
ایسی کوئی رہگزر نہیں ہے

وہ دل بھی ہے کیا نہیں جو سوزاں
وہ آنکھ ہی کیا جو تر نہیں ہے

غیروں کو بھلا مری خبر کیا
اپنوں ہی کو جب خبر نہیں ہے

میری خاموشی بھی اک آواز ہے
شرحِ غم کا یہ عجیب انداز ہے

گو نہیں مجھ کو رہائی کی امید
پھر بھی دل میں حسرتِ پرواز ہے

وجہِ سوزِ دل نہ پوچھ اے ہم نشیں!
راز رہنے دے اُسے جو راز ہے

آشکارا بھی ہے تو مستور بھی
اے جمالِ دوست یہ کیا راز ہے

اب تو میرے سجدہ ہائے شوق پہ
آستانِ حسن کو بھی ناز ہے

عشق بھی جس کو سمجھ سکتا نہیں
حسن کی فطرت اک ایسا راز ہے

اُس طرف اُن کو جفا پہ ہے غرور
اِس طرف مجھ کو وفا پہ ناز ہے

دوست کی نازک مزاجی اے جگرؔ
عرضِ مطلب میں خلل انداز ہے

حسن والوں کی چاہ کرتا ہوں
بس یہی اک گناہ کرتا ہوں

نظر آتا ہے تو ہی تو مجھ کو
جس طرف بھی نگاہ کرتا ہوں

اُس کی رحمت کو آزمانا ہے
بے محابا گناہ کرتا ہوں

کر کے آباد آرزوؤں کو
دل کی دنیا تباہ کرتا ہوں

یوں وہ میری وفا سے برہم ہیں
جیسے کوئی گناہ کرتا ہوں

غم نے گو جان پر بنا دی ہے
پھر بھی غم سے نباہ کرتا ہوں

اے جگرؔ اُن کو یاد کر کر کے
رات دن آہ آہ کرتا ہوں

اب مری اُن سے ملاقات نہیں — اب وہ عالم نہیں وہ بات نہیں
بات کیا ہے کہ مجھی پر اے دوست! — کرم و لطف و عنایات نہیں
جس میں پوشیدہ غرض ہو کوئی — وہ ملاقات ملاقات نہیں
دیر و کعبہ میں تجھے کیوں ڈھونڈوں — کیا مری ذات تری ذات نہیں؟
جس میں دورِ مئے رنگیں نہ چلے — میری نظروں میں وہ برسات نہیں
دیکھ لیتے ہیں اگر ہم تم کو — اس میں رنجش کی تو کچھ بات نہیں
آپ تو پوچھ رہے ہیں وہ سوال — جن سوالوں کے جوابات نہیں
جان کے آپ طلبگار تو ہوں — کچھ بھی میرے لئے یہ بات نہیں
جیتے جی ہو ترا دیدار نصیب — میری تقدیر میں یہ بات نہیں
جس میں آنسو نہ رواں ہو جائیں — وہ مناجات مناجات نہیں
بازیٔ عشق و محبت میں جگر — مات بھی ہے تو کوئی مات نہیں

حریم زیست کے ہر گوشہ میں ہے تاریکی
چراغ روئے منوّر سے روشنی کر دو

کوئی رہ رہ کے یاد آتا ہے — دل کا صبر و قرار جاتا ہے
جو بھی دنیا سے دل لگاتا ہے — زندگی بھر وہ غم اٹھاتا ہے
اس طرف دیر اس طرف کعبہ — دیکھئے دل کدھر کو جاتا ہے
جیتے جی بھی سکوں نصیب کسے — مر کے بھی کون چین پاتا ہے
چھوڑ جاتے ہیں سب رفیق و عزیز — کون مشکل میں کام آتا ہے
ساتھ جاتے ہیں دل کے ارماں بھی — کون تنہا جہاں سے جاتا ہے
میرے دل میں ہے کسی کی جلوہ گری — دل کا ہر گوشہ جگمگاتا ہے
رازِ غم جب یہ فاش ہو جائے — غم خوشی سے وہی اٹھاتا ہے
بڑھتی جاتی ہے آتشِ الفت — کوئی جتنا اسے بجھاتا ہے

آدمی جانیئے اسی کو جگر
آدمی کے جو کام آتا ہے

شور کیسا شراب خانے میں — دیر ابھی ہے بہار آنے میں
یاد آئے قفس میں کیوں اُن کی — دن کٹے ہیں جو آشیانے میں
ہاں مجھے بھی ملے درِ مقصود — کیا کمی ہے ترے خزانے میں
فکر، تشویش، رنج، غم کے سوا — اور کچھ بھی نہیں زمانے میں
رند ہوں میں پسِ اجل مجھ کو — دفن کرنا شراب خانے میں
ایک سیلابِ رنگ و بو آیا — یا تم آئے غریب خانے میں
اشکِ خونیں کی مہربانی سے — رنگ آیا مرے فسانے میں
مختصر ہے بہت قیامِ بہار — دیر ساقی نہ کر پلانے میں
میں تو اٹھ جاؤں گا جگت لیکن — غم رہے گا مرا زمانے میں

توقع نہ تھی یہ زمانے سے پہلے — رلائے گا یوں وہ ہنسانے سے پہلے
پڑا بے کرم برقِ سوزاں کا ہوگا — جلا دے مجھے آشیانے سے پہلے
تمنائے دیدار تک بر نہ آئی — اجل آ گئی اُن کے آنے سے پہلے
تجھے دل کی خودداریاں یاد آئیں — کسی شوخ کے ناز اٹھانے سے پہلے
مری سخت جانی کو دکھ کر نظر میں — ذرا سوچ لو تیغ اٹھانے سے پہلے
تری جستجو میں یہ منزل بھی آئی — ہوئے آپ گم تجھ کو پانے سے پہلے
فسردہ بھی ہونا پڑے گا کلی کو — یہ سمجھی نہ تھی مسکرانے سے پہلے
ذرا اپنا انجام بھی سوچ لیتا — جگت آپ دے [illegible] سے پہلے

میں ہر اک کام میں رہا ناکام
اے محبت یہ خوب ہے انعام

ہے دعا یہ کہ عمر یوں ہو تمام
دل میں ہو تیری یاد ہاتھ میں جام

کیوں نہ آرامِ جاں کہوں تجھ کو
تجھ سے ملتا ہے جان کو آرام

ہائے کم بخت نا امیدی نے
میرا جینا بھی کر دیا ہے حرام

اس کے سینے پہ روتی ہے شبنم
جانتی ہے وہ پھول کا انجام

تیرا اقرار زندگی کی نوید
تیرا انکار موت کا پیغام

اس کے آغاز پہ نہ اتراؤ
جانتے بھی ہو حسن کا انجام

کج روی ہے شباب کی فطرت
کر ہی دیتا ہے کوئی الٹا کام

حسن اس کا ہے ایک رات کی بات
تیرا حسن نہیں ہے ماہِ تمام

نام پاتا ہے عشق سے ہر شخص
ورنہ ہوتا ہے کون یوں بدنام

جس کو غم مل گیا ہو کھانے کو
کیا پیئے وہ بجز مئے گلفام

دہر کی ہر خوشی ہے درد آگیں
تیرا غم بھی ہے باعثِ آرام

اے جگر اپنے وقت سے پہلے
کام کوئی نہ ہو گا سر انجام

کون ہے اور غم کے ماروں کا — تو سہارا ہے بے سہاروں کا
پھول شاخوں سے توڑنے والو — یہ تو مطلب نہ تھا بہاروں کا
چارہ گر ہار تھک کے بیٹھ گئے — اب خدا ہی ہے غم کے ماروں کا
ہے تمنا اگر گلوں کی تجھے — خوف پھر دل میں رکھ نہ خاروں کا
چھوڑ دے ناخدا یہ کوششِ خام — شوق مجھ کو نہیں کناروں کا
پھول کیوں ہنس رہے ہیں گلشن میں — کچھ بھروسہ نہیں بہاروں کا
شاید اُس مہروش کو دیکھا ہے — چہرہ اُترا ہوا ہے تاروں کا
رازِ الفت عیاں نہ ہو جائے — کیا بھروسہ ہے رازداروں کا

اے جگر آج کل کی دُنیا میں
کون ہے ہم سے خاکساروں کا

حور و جنت تو سب فسانے ہیں — ہوش اے شیخ! کیا ٹھکانے ہیں؟
اُن کے کوچے میں چل نکل اے دل — آنے جانے کے سو بہانے ہیں
کون سُنتا ہے ذکرِ مہر و وفا — یہ فسانے بہت پُرانے ہیں
قیس و فرہاد اور عشقِ بُتاں — یہ حقیقت نہیں فسانے ہیں

اُس قدر مسجدیں نہیں ہیں جگر
جس قدر اب شراب خانے ہیں

ہیں یہ دو چار زندگی کے دن
کٹ ہی جائیں گے آدمی کے دن

وقتِ پیری خیالِ زینت کا
یہ تو ہوتے ہیں سادگی کے دن

پھول ہنستا ہے شمع روتی ہے
کٹ ہی جاتے ہیں ہر کسی کے دن

کوئی یار نا کوئی مونس ہے
کیا مصیبت ہیں بے کسی کے دن

کیوں گزارے نہ پھول ہنس ہنس کر
چند ہیں اس کی زندگی کے دن

توبہ توبہ بہار میں توبہ
یہ تو ہیں خاص مے کشی کے دن

اگر اچھا ملے رفیقِ حیات
خوب کٹتے ہیں زندگی کے دن

پارسائی شباب میں ہے فضول
اے جگر یہ ہیں دل لگی کے دن

گو مصیبت بہت اٹھائی ہے
عشق سے ہم نے داد پائی ہے

ہم تو مشتاقِ دید ہیں بے شک
اُن کو بھی شوقِ خود نمائی ہے

زندگانی کلی کی کچھ بھی نہیں
پھر بھی گلشن میں مسکرائی ہے

پیرہن تار تار پھر ہوں گے
پھر چمن میں بہار آئی ہے

دل ملانا نہ تھا اگر تم نے
کیوں نظر سے نظر ملائی ہے

ساری دنیا کو بھول بیٹھا ہوں
آج یہ کس کی یاد آئی ہے

اب تو ہر چیز ہے شراب ہمیں
اپنی مستی یہاں تک آئی ہے

اے جگر آج اُن کے آنے سے
میرے گھر بھی بہار آئی ہے

اک سخنداں کی مہربانی سے — آشنا ہم ہیں شعر خوانی سے
اے اجل! تیری مہربانی سے — ہم بچے جورِ زندگانی سے
رشکِ گلزار بن گئے ہیں قفس — ہم اسیروں کی خوں فشانی سے
ساری دنیا ہے مہرباں مجھ پر — آپ کی ایک مہربانی سے
تجھ کو حسرت ہے کامرانی کی — مجھ کو نفرت ہے کامرانی سے
عقل کی بات مان لے کوئی — یہ توقع نہیں جوانی سے
شرحِ غم ان سے کیا کروں اے دل — ان کو نفرت ہے اس کہانی سے

بلبلیں دم بخود ہیں گلشن میں
اے جگر تیری نغمہ خوانی سے

محبت کر کے ہم پچھتا رہے ہیں — سزا اپنے کیے کی پا رہے ہیں
محبت میں ہے دل رہبر ہمارا — جدھر لیجا رہا ہے جا رہے ہیں
انہیں شک ہے تری رحمت پہ شاید — گنہ کرنے سے جو گھبرا رہے ہیں
وہ میرے سامنے آئیں گے کیونکر — جو آپ اپنے سے بھی شرما رہے ہیں
سفینہ زندگی کا بڑھ رہا ہے — تلاطم پر تلاطم آ رہے ہیں
ہوئی ہیں بستیاں ویراں ہزاروں — خدا جانے کہاں سب جا رہے ہیں

ہم اس بت کی گلی میں مدتوں سے
جگر ٹھوکر پہ ٹھوکر کھا رہے ہیں

جن کو پلا دے تو نگہہ پُر خمار سے
نا آشنا رہیں وہ مئے خوشگوار سے

جی چاہتا ہے سینے سے اسکو نکال دوں
کچھ اسقدر ہوں تنگ دلِ بیقرار سے

دستِ ہوس دراز نہ کر پھول کی طرف
ایسا نہ ہو الجھ کے ہی رہ جائے خار سے

پھر آ نہ جائے دل کی تمناؤں پہ شباب
دیکھیں نہ یوں حضور مجھے آپ پیار سے

یہ کوئی رو رہا ہے کسی کے فراق میں
یا بہہ رہا ہے آب کسی آبشار سے

بندوں سے کچھ امید نہیں مجھ کو اے جگر
امید ہے فقط مجھے پروردگار سے

میں نہ جاؤں گا ترا در چھوڑ کر
جان دے دوں گا یہیں سر پھوڑ کر

غیرتِ گلشن قفس کو کر دیا
ہم اسیرِ دل نے سر اپنا پھوڑ کر

تیرے در سا اور کوئی در نہیں
میں کہاں جاؤں ترا در چھوڑ کر

دل کے ٹکڑے جڑ نہیں سکتے کبھی
دیکھ لیں خود آپ ان کو جوڑ کر

عشق میں دیکھا نہ کوئی کامیاب
مر گیا فرہاد بھی سر پھوڑ کر

آج میری سخت جانی نے جگر
رکھ دیا ہے ان کا خنجر توڑ کر

سینے میں سوزِ عشق ہے لب پر فغاں نہیں
یا رب یہ کیسی آگ ہے جس کا دھواں نہیں

دِل ہو کہ سینہ درد کی شدّت کہاں نہیں
یہ اور بات ہے مرے لب پر فغاں نہیں

جب کچھ کہوں تو ہوتا ہے ارشاد "چپ رہو"
رہتا ہوں چپ تو کہتے ہیں "منہ میں زباں نہیں"

جھکتا ہے ہر کسی کا ترے آستاں پہ سر
شاید جہاں میں اور کوئی آستاں نہیں

کیوں آپ کے ستم کی شکایت کروں نہ میں
سینے میں دِل نہیں ہے کہ منہ میں زباں نہیں

دیر و حرم میں کیوں میں تجھے ڈھونڈتا پھروں
دُنیائے ہست میں ترا جلوہ کہاں نہیں

اس پہ ہی کیوں کرم ہے ترا اے نگاہِ برق
کیا گلستاں میں اور کوئی آشیاں نہیں

رہ کر ہمارے خانۂ دِل میں تو دیکھئے
دُنیا میں کوئی اور تو ایسا مکاں نہیں

مانا کہ غیر میں ہیں خصوصیتیں بہت
جو تم سمجھ رہے ہو وہ ایسے مہرباں نہیں
اے ضبطِ عشق ہوش میں آ کیا ہوا تجھے
قابو میں اپنے آج ہماری زباں نہیں
نازاں جگر ہوں اپنے دلِ داغدار پر
اس باغ کی بہار کو خوفِ خزاں نہیں

ظلم ہوتے ہیں یہاں پر بے حساب
داد کے قابل ہے اُن کا انتخاب

ڈالتے ہو کس لیے رُخ پر نقاب
چھپ بھی سکتا ہے کہیں یہ آفتاب

دیکھتا ہوں دوپہر کا آفتاب
یاد آتا ہے ترا حُسن و شباب

زندگی پر ہم بھروسہ کیا کریں
زندگی تو ہے سراسر ایک خواب

عشق کیا ہے قطرۂ شبنم فقط
حُسن کیا ہے اک چمکتا آفتاب

شوق کامل دل میں ہونا چاہیئے
خود بخود اٹھ جائیں گے سارے حجاب

کج ادائی - کج کلاہی - کج روی
کام سب آتے سکھاتا ہے شباب

کیوں نہ ہوں مخمور اس سے اہلِ بزم
میرا اک اک شعر ہے جامِ شراب

ہم اگر سچ بھی کہیں وہ جھوٹ ہے
آپ کا تو جھوٹ بھی سچ ہے جناب

دلکشی ہر شعر میں ہے اے جگر
یہ غزل تم نے کہی کیا لاجواب

○

داغ روشن ہے یوں مرے دل میں
شمع جلتی ہے جیسے محفل میں

دل لگا کر کسی ستم گر سے
پھنس گیا ہوں عجیب مشکل میں

ایک دو کی تو کوئی بات نہ تھی
لاکھ ارمان تھے مرے دل میں

خود بخود جھک گئی مری گردن
دیکھ کر تیغ دستِ قاتل میں

دل میں جب انہیں جلانے کو
کیوں جلائیں وہ شمع محفل میں

تیری الفت میں جان دے دیں گے
کر لیا ہے یہ فیصلہ دل میں

کس قدر لوگ جمع رہتے ہیں
تیرے کوچے میں تیری محفل میں

جل رہا ہوں چراغ کی مانند
اے جگرؔ اس جہان کی محفل میں

عشق سے مجھ کو عار نہیں ہے
یہ کوئی بے گار نہیں ہے

فتنۂ محشر نام ہے جس کا
کیا وہ تری رفتار نہیں ہے؟

نخلِ تمنّا نخل ہے کیسا
پھول نہیں ہے بار نہیں ہے

موت کی زد سے جو بچ نکلے
عشق کا وہ بیمار نہیں ہے

دل سی شے کی قدر ہو جس میں
حسن کا وہ بازار نہیں ہے

سی تو لوں میں چاکِ جگر کو
اُن کی نظر کا تار نہیں ہے

ہم کو اُن سے پیار ہے لیکن
اُن کو ہم سے پیار نہیں ہے

میری آہ سے کیوں ڈرتے ہو
آہ کوئی تلوار نہیں ہے

چھوڑ جگر الفت کا رستہ
یہ رستہ ہموار نہیں ہے

دل مرا لے کے مجھے آپ دعا دیتے ہیں
کبھی سوچا بھی ہے کیا لیتے ہیں کیا دیتے ہیں

اتنی تاثیر مرے نالے دکھا دیتے ہیں
ہفت افلاک کی بنیاد ہلا دیتے ہیں

جن کو وہ مست نگاہوں سے پلا دیتے ہیں
تا قیامت انہیں مستانہ بنا دیتے ہیں

شعروں میں حسن و ادا رنگ و تبسم بھر کے
ہم غزل کو تری تصویر بنا دیتے ہیں

شمع ہی ہے وہ جو رو لیتی ہے چپکے چپکے
ہم تو جب روتے ہیں محفل کو رلا دیتے ہیں

قابلِ دید اگر ہے تو جنوں ان کا ہے
پرزے جو دامنِ ہستی کے اڑا دیتے ہیں

جان دے دینگے ترے عشق میں ہم جھوٹ نہیں
ہم جو کہتے ہیں وہی کر کے دکھا دیتے ہیں

اک طرف وہ ہیں جو کرتے ہیں جفا شام و سحر
اک طرف ہم ہیں کہ اس پہ بھی دعا دیتے ہیں

دل سی شے ہم نے تو کر دی ہے نچھاور اُن پہ
اِس کے بدلے میں ہمیں دیکھئے کیا دیتے ہیں

مجھ کو کچھ اور تو کہنے کی ضرورت ہی نہیں
مَیں ہوں کیا یہ مرے اشعار بتا دیتے ہیں

طنز یہ بات وہ کرتے ہیں ہمیشہ ہم سے
شیر و شکر میں جگر زہر ملا دیتے ہیں

کاتبِ تقدیر کا ہے یہ ستم
میری قسمت میں رکھا اُلفت کا غم

جب اُٹھائی اُس نے تلوارِ ستم
کر دیا ہم نے سرِ تسلیم خم

اللہ اللہ اب ہیں محرومِ ستم
ہم سمجھتے تھے اِسے اُن کا کرم

گرم آنسو آنکھ سے بہنے لگے
آگ پانی ہو گئے شاید بہم

کشتیِ دِل کا خدا حافظ ہے اب
بڑھ رہا ہے خیر سے سیلابِ غم

سجدہ گاہِ اہلِ عالم بن گیا
کیا کہوں کس کا ہے یہ نقشِ قدم

یوں تو جنت میں بھی رونق ہے بہت
ہاں مگر ہے آپ کے کوچے سے کم

موت سے پہلے نہ ہو جس کی سحر
میری قسمت میں ہے وہ شامِ الم

بڑھ گئے آگے سب اہلِ کارواں
ایک نقشِ پا بنے بیٹھے ہیں ہم

شمعِ محفل کی طرح اِس دہر میں
جل رہا ہوں اے جگر سر تا قدم

یہاں تک رحم کے قابل ترا بیمار ہو جائے
اُسے دیکھے کوئی تو دیکھنا دُشوار ہو جائے
محبت میں کوئی اتنا بھی کیوں ناچار ہو جائے
کہ جینا اِک طرف مرنا اُسے دُشوار ہو جائے
گلوں کی یاد میں ہم نے بہائے خون کے آنسو
غرض یہ تھی قفس بھی ہمسرِ گلزار ہو جائے
جگر کا چاک سینا تو کوئی مشکل نہیں ہوتا
میسّر جو کہیں اُن کی نظر کا تار ہو جائے
وفا کا نام مٹنے دیں یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
کوئی ناراض ہوتا ہے اگر سو بار ہو جائے
غم و رنج و الم، آہ و فغاں، ناکامیِ پیہم
عطا کچھ اور بھی اب اے مری سرکار ہو جائے
جگر عشق و محبت میں یہ صورت تھی مرے دل کی
کبھی مجبور ہو جائے ۔ کبھی مختار ہو جائے

…ن سوز کردہ جب نہ نکلتا ہے
دیکھ کر آفتاب جلتا ہے

آ گئے بہتے تھے اشک آنکھوں سے
خون ہی خون اب نکلتا ہے

…وت ہے اک علاجِ غم لیکن
اس پہ بھی کس کا زور چلتا ہے

…ک ہی جاتی ہے گردشِ دوراں
جام جب میکدے میں چلتا ہے

راہِ الفت کی لغزشیں توبہ
ہر قدم پر قدم پھسلتا ہے

ہو چکا اب مریضِ غم کا علاج
چارہ گر بیٹھا ہاتھ ملتا ہے

یوں نکلتا ہے میرے دل سے لہو
جیسے چشمہ کوئی ابلتا ہے

اس نے رخ سے نقاب الٹ کے کہا
"چاند بدلی سے یوں نکلتا ہے"

ہر سخن میں جگر قلم تیرا
کیسے کیسے گہر اگلتا ہے

کمالِ ضبط تھا اپنا جو آہ بھی نہ ہوئی
کسی کے ظلم و ستم میں مگر کمی نہ ہوئی

مٹی نہ تیرگیِ شب جگر کے داغوں سے
جلے چراغ مگر گھر میں روشنی نہ ہوئی

تمام عمر اکٹھے رہے مگر پھر بھی
گل اور خار کی آپس میں دوستی نہ ہوئی

چراغِ شمس قمر سے آئینہ۔ گلِ خنداں
کسی سے اس رخِ روشن کی ہمسری نہ ہوئی

ہزار فتنے اٹھائے فلک نے شام و سحر
ستم گری میں تمہاری برابری نہ ہوئی

جفا و جور کی آندھی بہت چلی لیکن
چراغِ عشق کی لو میں ذرا کمی نہ ہوئی

ہزار بار چمن میں بہار آئی ہے
شگفتہ میرے ہی دل کی کلی کبھی نہ ہوئی

خیال تھا کہ گلے مل کے ہم کریں گے گلے
وہ جب ملے تو جگر ہم سے بات بھی نہ ہوئی

سوزِ دل سے آ گئی لب پر فغاں
آگ جلنے سے ہُوا پیدا دھواں

لاکھ چمکیں آسماں پر بجلیاں
میں بنا کر ہی رہوں گا آشیاں

آہ و نالہ اور فریاد و فغاں
عشق میں چیزیں ہیں یہ سب رائیگاں

کیوں تکلّف کر رہی ہیں بجلیاں
خود جلا دے گا مجھے سوزِ نہاں

کہہ رہا ہے ابر آلود آسماں
"ساقیا مے کی بہا دے ندیاں"

رکھ کے دامن زیرِ چشمِ خونفشاں
دیکھ پھر تو عشق کی گل کاریاں

لوگ کہتے ہیں جسے باغِ جناں
وہ ہے اپنا گلشنِ ہندوستاں

دیکھ کر میرا یہ اندازِ بیاں
دشمنوں کے دل پہ ٹوٹیں بجلیاں

یہ اثر دیکھا شرابِ تلخ میں
زندگی کی مٹ گئیں سب تلخیاں

لاکھ راحت ہو قفس میں ہم صفیر
پھر بھی لیکن آشیاں ہے آشیاں

نور کے سانچے میں وہ دل ڈھل گیا
پڑ گئیں جس پر تری پرچھائیاں

جان کے جانے کا کوئی غم نہیں
ہم نہ چھوڑیں گے تمہارا آستاں

وہ غمِ ہستی کا چارہ کیا کرے
جس کے بس میں ہو نہ مرگِ ناگہاں

مر گئے جو عاشقی میں اے جگر
مل گئی ان کو حیاتِ جاوداں

محفل میں جدھر وہ ہیں اُدھر دیکھ رہے ہیں
ہم دیکھنے والوں کا جگر دیکھ رہے ہیں

یہ نالۂ شب ہی کا اثر دیکھ رہے ہیں
آج اُن کو جو ہم وقتِ سحر دیکھ رہے ہیں

دیکھے تھے کبھی تاجِ شہی جن کے سروں پر
آج اُن کو بھی ہم خاک بسر دیکھ رہے ہیں

اے حسن نظر سوز ہے جلوہ ترا بے شک
جو دیکھنے والے ہیں مگر دیکھ رہے ہیں

میں نے جو کہا "دیکھیں اِدھر بھی" تو وہ بولے
"دیکھیں گے اُدھر ہم تو جدھر دیکھ رہے ہیں"

اے دیدۂ خونبار ترا لطف و کرم ہے
دامن میں جو ہم لعل و گہر دیکھ رہے ہیں

دیکھا ہے تجھے دیکھنے والوں نے کئی بار
ہم اپنی مگر تابِ نظر دیکھ رہے ہیں

ہے کون جسے تیری شکایت نہیں ظالم!
دُنیا میں یہ ہم شام و سحر دیکھ رہے ہیں

جلتے ہوئے دیکھا ہے جگر خانۂ دل کو
شاید یہ ہم اُلفت کا اثر دیکھ رہے ہیں

نوازش آپ کی مجھ پر یہ گیا کوئی کم ہے؟
دیا ہے درد جو مجھ کو وہ دردِ پیہم ہے

نہ کوئی دوست ہے اپنا نہ کوئی ہمدم ہے
سہارا زلیست کا لے دیکھے آپ کا غم ہے

مزاجِ یار ہے اچھا تو ہے جہان اچھا
مزاجِ یار ہے برہم جہان برہم ہے

اس امتیاز پہ مجھ کو خوشی نہ ہو کیوں کر
مرے ہی واسطے مخصوص آپ کا غم ہے

سرور آئے نہ کیوں ہم کو سیرِ گلشن سے
ہر ایک پھول پیالۂ شرابِ شبنم ہے

خدا نے یوں تو زمانے کا غم دیا ہم کو
ہمارے ظرف سے یہ بھی مگر بہت کم ہے

جمالِ دوست کے آگے ہے دل کی کیا اوقات
وہ ایک شعلہ جو آگ ہے یہ شبنم ہے

جہانِ عشق کی رسمیں عجیب رسمیں ہیں
نہ رنجِ مرگ یہاں ہے نہ شورِ ماتم ہے

میں تم سے لے کے پیالے کی کیوں کروں توہین
تمہارے ہاتھ میں جب تک ہے ساغرِ جم ہے

کسی کے عشق میں یہ حال ہے جگر اپنا
نہ کچھ خوشی کی خوشی ہے نہ غم کا اب غم ہے

○

زبان سے تو کبھی ہم یہ کہہ نہیں سکتے
دا‌ئست ہے کہ ترے جور سہہ نہیں سکتے

چمک ہزار ہو قطرے میں پھر بھی قطرہ ہے
ہم اس پہ قطرے کو گوہر تو کہہ نہیں سکتے

نگاہ شوق اٹھائے گی ایک دن پردا
وہ خود بھی چاہیں تو پردے میں رہ نہیں سکتے

وہ زخم کیا ہیں جو رستے رہیں نہ سینے میں
وہ اشک کیا ہیں جو آنکھوں سے بہہ نہیں سکتے

یہ اور بات ہے ہم جو خموش رہتے ہیں
ہے ورنہ بات وہ کیا ہم جو کہہ نہیں سکتے

زبان رکھنے کو رکھتے تو ہیں دہن میں مگر
جو دل کی بات ہے ہم اُن سے کہہ نہیں سکتے

میں اُن کی سیکڑوں بیجا بھی سن رہا ہوں مگر
وہ میری ایک بجا بات سہہ نہیں سکتے

جو پردے پردے میں کرتا ہو دشمنی سو سو
ہم ایسے دوست کو تو دوست کہہ نہیں سکتے

عجیب ہے خود کو وہ شاعر خیال کرتے ہیں
جو ایک مصرعۂ موزوں بھی کہہ نہیں سکتے
نہ کر جگر کوئی پروا تو نکتہ چینوں کی
وہ نکتہ چینیٔ بے جا سے رہ نہیں سکتے

تری یاد ہی سے کچھ آج کل مجھے صبح و شام قرار ہے
مرے گلستانِ حیات میں تری یاد ہی سے بہار ہے
مرا دل بھی تو۔ مری جان تو۔ مری آن تو مری شان تو
ترے دم سے ہے مری زندگی۔ ترے دم سے دل کو قرار ہے
تو ہنسے تو لالہ و گل کھلیں۔ تو چلے تو سرو بلائیں لیں
تو ہر اک چمن کی ہے تازگی۔ تو ہر اک چمن کی بہار ہے
کوئی اور تجھ سا حسیں نہیں، کوئی ہو تو مجھ کو یقیں نہیں
یہ تمام حسنِ گلِ دمن۔ ترے آگے مشتِ غبار ہے
جو نشہ ہے تیری نگاہ میں، وہ نشہ نہیں ہے شراب میں
ہے ترے لبوں میں وہ تازگی، گلِ تر بھی جس پہ نثار ہے
مری آنکھ کو تری جستجو، مرے دل کو ہے تری آرزو
مری آنکھ کا بھی تو نور ہے، مرے دل کا بھی تو قرار ہے
ترے حسن میں ہے وہ تازگی، جو بہار میں بھی نہ مل سکی
کسی پھول میں بھی نہیں ملا، ترے چہرے پہ جو نکھار ہے

شباب ہوتا ہے اے شیخ دل لگی کے لئے
نہ وقف کر اسے بے سود بندگی کے لئے

بجا کہ عشق ضروری ہے زندگی کے لئے
ہزار اور مصیبت ہے آدمی کے لئے

خوشی کے ساتھ ہی وابستہ رنج ہوتا ہے
نہ بے قرار ہو اتنا بھی تو خوشی کے لئے

مجھے چراغ جلانے کی کیا ضرورت ہے
یہ دل کے داغ ہی کافی ہیں روشنی کے لئے

بہار آنے کو آئی تو ہے چمن میں، مگر
ترس رہا ہے ہر اک گل شگفتگی کے لئے

یہ آج اُن سے کہا میری سخت جانی نے
"فلک کو ساتھ ملا لو ستم گری کے لئے"

اُنہیں کی فکر، اُنہیں کا خیال، اُنہیں کی بات
نہیں اب اور کوئی شغل زندگی کے لئے

یہ کوہ کن نے کہا اور سر کو پھوڑ لیا
"کلیجہ چاہیئے پتھر کا عاشقی کے لئے"

جگر ہے نام مرا اور یہ ہے کام مرا
میں خون دیتا ہوں انساں کو زندگی کے لئے

ہزاروں غم ہیں اک جانِ حزیں ہے
کوئی بچنے کی اب صورت نہیں ہے

فقط غم اُن کا دل میں جاگزیں ہے
ہمیں غم اور اب کوئی نہیں ہے

بشر کی ہڈیاں تک اس نے کھائیں
فلک سے بڑھ کے ظالم یہ زمیں ہے

کوئی پردا اُٹھانے کو ہے بے تاب
نگاہِ شوق تجھ پہ آفریں ہے

کسی کے واسطے ہے زہر دُنیا
کسی کے واسطے یہ انگبیں ہے

محبت پھول تو ہے خوب صُورت
مگر اس پھول میں خوشبو نہیں ہے

عدو سے بھی عداوت ہو نہ جس کو
وہ دل کچھ جامِ جم سے کم نہیں ہے

نہیں جس دل میں کوئی بھی تمنا
وہ ہے اک پھول جس میں بو نہیں ہے

نشانِ تیرِ نظر کا پوچھتے ہو
جگر کے پاس ہے دل کے قریں ہے

نقاب اس لئے رُخ سے اُٹھائی جاتی ہے
ہماری تابِ نظر آزمائی جاتی ہے

چھپا کے چہرے کو رکھنا فضول ہے اے دوست!
جو چیز دیکھنے کی ہو دکھائی جاتی ہے

ملائیں دِل سے وہ دِل کیا یہی غنیمت جان
کبھی کبھی جو نظر ہی ملائی جاتی ہے

کسی سے بزم میں وہ ہنس کے بات کرتے ہیں
کسی کے سینے پہ بجلی گرائی جاتی ہے

سرشتِ خار نہ بدلی گلوں کی صحبت میں
بُرے ہیں جو کبھی اُن کی بُرائی جاتی ہے؟

جو شکل صرف ہمیں کو دکھائی جاتی تھی
غضب ہے آج ہمیں سے چھپائی جاتی ہے

غبارِ دِل نہ مِٹا اُن کا میرے مٹنے پہ بھی
جگہ جگہ میری مٹی اُڑائی جاتی ہے

نقاب اُٹھا کے وہ جلوہ دکھاتے ہیں سب کو
ہمیں حکایتِ موسےٰ سنائی جاتی ہے

کسی کو ملتی نہیں مانگنے پہ بھی ساقی!
بغیر مانگے کسی کو پلائی جاتی ہے
ہم ان بتوں کو جگر کیوں نہ پھر خدا مانیں
جدھر یہ جاتے ہیں ساری خدائی جاتی ہے

جی چاہتا ہے بن کے ترا آئینا رہوں
تیری ادائیں شام و سحر دیکھتا رہوں
اے آسمان! اس میں ترا کیا بگاڑ ہے
میرے بنے رہیں وہ میں ان کا بنا رہوں
دل کی لگی کا چارہ تو اے چارہ گر نہ کر
میری دوا یہی ہے کہ میں بے دوا رہوں
اے دوست! ہو نہ اس میں اگر تجھ کو اعتراض
مانندِ سنگِ در ترے در پہ پڑا رہوں
یہ شرم یہ حجاب، مقدر کی بات ہے
ہو کر بھی تیرے پاس میں تجھ سے جدا رہوں
کتنا عجیب روگ ہے یارب یہ عاشقی
ہر شخص چاہتا ہے کہ میں مبتلا رہوں
اس چشم مے فروش کی دعوت ہے اے جگر
اب یہ غلط ہے بات کہ میں پارسا رہوں

یہ بات سوچ لو پہلے ہمیں اٹھانے سے
رہے گا بزم میں پھر کیا ہمارے جانے سے
ہے وقتِ نزع نہ یوں ہم سے رُوٹھ کر جاؤ
جو رُوٹھے ہم تو نہ مانیں گے پھر منانے سے
کسی کی بزم میں جانے سے روکنے والو!
مرے خیال کو روکے گا کون جانے سے
جو مل سکے مجھے لے لے تو غم کا سرمایہ
کوئی خزانہ نہیں بڑھ کر اِس خزانے سے
کسی کے کوچے میں جانے کو مضطرب ہوں بہت
دِل حزیں مجھے لے چل کسی بہانے سے
اُسے منانے کی صورت مجھے بتائے کوئی
جو رُوٹھے اور زیادہ منائے جانے سے
برنگِ ماہیِ بے آب جان دے دُوں گا
مجھے نکالو نہ یارو شراب خانے سے
تمہاری بات بھی سنتے ہیں گردشِ ایّام
ابھی ہم آتے ہیں ہو کر شراب خانے سے
بغور سنتا ہی کوئی نہیں جگرؔ اِس کو
صدائے نوحہ بھی آتی ہے شادیانے سے

ہو جاتے ہیں ایسے بھی کئی کام بشر سے
گر جاتا ہے خود آپ وہ اپنی ہی نظر سے

تشبیہ نہ دے اُن کو عبث شمس و قمر سے
وہ کیا ہیں ذرا پوچھ تو لے اہلِ نظر سے

اُلفت میں اگر اشک گرے دیدۂ تر سے
قیمت میں زیادہ ہے کہیں لعل و گہر سے

ملتا ہی نہیں دل کا پتہ اب کہیں مجھ کو
گذرا ہوں کئی بار تری راہ گزر سے

دلکش ہے ترا حسن بہاروں سے زیادہ
پُر نور ترا رُخ ہے سوا نورِ سحر سے

سر جائے تو جائے نہیں پروا مجھے لیکن
اے دوست نہ جائے ترا سودا مرے سر سے

کیوں ساقیٔ میخانہ کے احسان اٹھاتا
تم مجھ کو پلا دیتے اگر مست نظر سے

یارب ہے عجب زندگی و مرگ کا چکر
آتا ہوں اُدھر سے کبھی جاتا ہوں اِدھر سے

اُس جانِ تغافل کو جگر اتنا بتا دو
ہم کھینچ کے لائیں گے محبت کے اثر سے

لے جانے کو تم شوق سے لے جاؤ مرا دل
آئے گا کسی کام بھی یہ درد بھرا دل

دل چھین کے پہلو سے مرے لے بھاگئے وہ
رو رو کے میں کہتا ہی رہا "ہائے مرا دل"

ہر وقت ستاتا ہے رلاتا ہے یہ مجھ کو
یارب کوئی دشمن مرے سینے میں ہے یا دل

کہتے ہیں کوئی لیتا ہے ٹوٹا ہوا دل بھی
احسان جتاتے ہیں وہ یوں لے کے مرا دل

جب کہتا ہوں "جور و ستم اتنے نہ ڈھائیں"
وہ کہتے ہیں "جا ہم نے ترا دیکھ لیا دل"

یا میں ہی نہیں واقف آداب محبت
یا تیرے ہی سینے میں نہیں پیار بھرا دل

اے ناصح مشفق ترا کہنا تو بجا ہے
میں کیا کروں مانے نہ اگر میرا کہا دل

بگڑا سا ہے مزاج اس کا ترے لطف و کرم سے
پہلے تو رہا کرتا تھا راضی بہ رضا دل

کرتی ہیں نئے دل کی طلب انکی ادائیں
ہر روز جگر لاؤں کہاں سے میں نیا دل

اللہ ری یہ سرد یِ بازارِ محبت
ملتا ہی نہیں کوئی خریدارِ محبت

گو اس بھی دل کو نہیں آزارِ محبت
رہتا ہے مگر پھر بھی طلبگارِ محبت

تکرار کسی بات میں اچھی نہیں ہوتی
پرلطف مگر ہوتی ہے تکرارِ محبت

بازارِ محبت کی ہے گرمی مرے دم سے
ڈھونڈو گے مرے بعد خریدارِ محبت

ہیں دید کے قابل مرے داغوں کی بہاریں
دیکھو تو ذرا آ کے یہ گلزارِ محبت

محسوس جو ہوتی ہے کمی دل کی خلش میں
سینے میں چبھو لیتا ہوں پھر خارِ محبت

کیا اٹھ گئے دنیا سے ترے چاہنے والے
ویران نظر آتا ہے بازارِ محبت

منصور کے لب پر یہ تھا سردار پہ کلمہ
"سر دے جو محبت میں ہے سردارِ محبت"

بڑھتا ہی چلا جاتا ہے یہ روگ جہاں میں
ہر شخص جگر ہوتا ہے بیمارِ محبت

ہم اُس مقام پہ اُلفت میں آئے بیٹھے ہیں
کہ اُن کے دِل پہ بھی سکّے بٹھائے بیٹھے ہیں

یہ کِس کی یاد کو دِل سے لگائے بیٹھے ہیں
خود اپنے آپ ہی کو ہم بھلائے بیٹھے ہیں

وہ سوزِ عشق جو دُنیا کو پھُونک سکتا ہے
ہمیں ہیں جو اِسے دِل میں دبائے بیٹھے ہیں

غمِ جہاں سے جو چکّر سے بچ کے نکلے تھے
وہ دَورِ جام کے چکّر میں آئے بیٹھے ہیں

سکون و صبر تو کیا آبرو بھی کھو دی ہے
تمہارے عشق میں سب کچھ لٹائے بیٹھے ہیں

جہاں نہ آنے کی کل کھائی تھی قسم ہم نے
پھر آج ہم اُسی محفل میں آئے بیٹھے ہیں

ستا نہ اِس سے زیادہ تُو اے شبِ فرقت
ہم اپنی زیست سے اب تنگ آئے بیٹھے ہیں

فلک بھی بارِ محبت اُٹھا نہ سکتا تھا
جگر ہمیں ہیں جو یہ بار اُٹھائے بیٹھے ہیں

جو سخت سینہ سخت جگر سخت جاں نہ ہو
ہرگز وہ شخص مائلِ عشقِ بتاں نہ ہو

تجھ سے جو اور کام کوئی اے فغاں نہ ہو
اتنا تو کر کہ سر پہ مرے آسماں نہ ہو

بے شک کرو حسینوں سے اُلفت بری نہیں
لیکن یہ شرط ہے کہ کسی پر عیاں نہ ہو

مجھ خوگرِ جفا کے لئے رحم بھی ہے ظلم
بہتر تو اب یہی ہے کہ تو مہرباں نہ ہو

آنکھیں ہیں اُن کی سرخ جبیں بھی ہے پُرشکن
محفل میں زیرِ بحث مری داستاں نہ ہو

گلزارِ ہند پھولتا پھلتا رہے مدام
یارب کبھی یہ باغ سپردِ خزاں نہ ہو

آرام سے جو کرنی ہے تو نے بسر جگر
پھر وہ زمین ڈھونڈ جہاں آسماں نہ ہو

اگرچہ حسن میں کم ماہ و آفتاب نہیں
تمہارے حسن کا لیکن کوئی جواب نہیں

گناہ بھی نہیں جس میں کوئی عذاب نہیں
مری نگاہ میں اے شیخ وہ شباب نہیں

جہانِ عشق میں ایسی کوئی کتاب نہیں
تمہارے حسن کا اے دوست جس میں باب نہیں

نقاب اٹھا کے دکھایا ابھی تھا کبھی جلوہ؟
غضب ہے یہ کہ ہمیں دیکھنے کی تاب نہیں

یہ کہہ کے داورِ محشر نے مجھ کو چھوڑ دیا
"ترے گناہوں کا پاس اپنے کچھ حساب نہیں"

کتابیں اور بھی اچھی جہاں میں ہیں لیکن
کتابِ عشق سے بہتر کوئی کتاب نہیں

جہاں میں لاکھ ہیں حسن و جمال کے پیکر
تمہارے حسن کا لیکن کوئی جواب نہیں

وہ انقلاب جو قسمت مری بدل ڈالے
فلک کے بس میں بھی شاید وہ انقلاب نہیں

ترے شباب نے بے چین کر دیا سب کو
جہاں میں کون ہے دل میں اب اضطراب نہیں

وہ جانتا ہے کہ تنویرِ حسن بھی ہے نقاب
یہی سبب ہے کہ اُس چہرے پر نقاب نہیں

جگرؔ عجیب ہے الفت کا کھیل بھی آخر
وہ کامیاب ہے اس میں جو کامیاب نہیں

کہیں سر پڑا ہے کہیں دھڑ پڑا ہے
تمہاری گلی میں یہ کیا ہو رہا ہے

مریضِ غمِ عشق کا اب خدا ہے
دوا کا نہیں وقت، وقتِ دعا ہے

محبت میں ہو کامیابی کسی کو
کبھی ایسا ہوگا نہ ایسا ہوا ہے

وفا پر جفائیں، جفا پر دعائیں
وہ شیوا ترا ہے یہ شیوا مرا ہے

نفس پر ہے موقوف انساں کی ہستی
سرِ رہ گزر اک دیا جل رہا ہے

محبت نے پردہ دوئی کا اٹھایا
نہ میں میں رہا ہوں نہ تو تو رہا ہے

مرے آبلوں کی یہ گل کاریاں ہیں
کہ ہر خار زار اک چمن بن گیا ہے

فقط یہ نظر کی ہے سحر آفرینی
کبھی ذرّہ خورشیدِ تاباں بنا ہے

لہو بھی ٹپکنے لگا چشمِ تر سے
رہِ عشق میں کیا مقام آ گیا ہے

بغور ان بتوں کو جگرؔ ہم نے دیکھا
کھلا یہ کہ ہر ایک خود اک خدا ہے

ہم نے مانا کہ ہے اُلفت میں سراسر گھاٹا
پھر بھی اِس سودے سے بہتر نہیں کوئی سودا

دفعتاً اُس نے جو چہرے سے اُٹھایا پردا
تھا وہ عالم کہ اُدھر مجھ سے تو دیکھا نہ گیا

تو جلالے مجھے جتنا بھی جلانا چاہے
اِس سے ہوتا ہے اگر تیرا کلیجا ٹھنڈا

رُخِ تاباں نے ترے، آگ لگا دی دِل میں
مَیں جسے پھول سمجھتا تھا وہ شعلہ نکلا

اِس قدر سنگدِل اُس بُت کو بنانے والے
میرے سینے میں بھی پتھر کا جگر رکھ دیتا

کون سا دِل ہے نہیں جس میں ترے عشق کا سوز
ہم نے اِس آگ میں جلتا ہوا گھر گھر دیکھا

جیتے جی جانے نہ پایا مژۂ یار کا دھیان
جان نکلی تو مرے دِل سے یہ خنجر نکلا

جلوۂ حق نظر آیا مجھے ہر ذرّے میں
مَیں نے ہر قطرے میں پوشیدہ سمندر دیکھا

ہم نے ایسا تو مسیحا کوئی دیکھا نہ جگر
جو غمِ عشق کے ماروں کو بھی زندہ کرتا

چاند سے بڑھ کے ترے حسن کی زیبائی ہے
پھولوں سے بڑھ کے ترے چہرے کی رعنائی ہے
ان کی سی شکل کسی اور نے بھی پائی ہے ؟
ہے بجا ان کو اگر دعویٔ یکتائی ہے
آ کے دیکھیں تو مرے سینے کے داغوں کی طرف
وہ جو کہتے ہیں کہ گلشن میں بہار آئی ہے
اللہ اللہ رے نظر سوز تجلی ان کی
سامنے آئے جسے دعویٔ بینائی ہے
کس قیامت کا تجھے حسن خدا نے بخشا
صورت آئینہ ہر آنکھ تماشائی ہے
حسن کیا چیز ہے اب تک نہیں معلوم اسے
اس سے گو عشق کی دیرینہ شناسائی ہے
اک طرف وہ ہیں جنہیں جبر و ستم پہ ہے غرور
اک طرف ہم ہیں جنہیں ناشکیبائی ہے
اے جگر غم کا تجھے غم نہ خوشی کی ہے خوشی
کیا طبیعت تو نے اے یار مرے پائی ہے

کلیاں بہت ہیں عروسِ بہار میں
کچھ اور ہی ہے بات نگہِ حسنِ یار میں

بیقراریاں ہیں دلِ بے قرار میں
اب کیا کہیں ہیں وہ برق و شرار میں

فکرِ دوست ہے غم سے گذری زندگی کہاں
اے موت اب کیسے کاٹوں تیرے انتظار میں

دیدہ حیرو ماہ ہے ہیچ اسکے سامنے
وہ روشنی ہے نقشِ کفِ پائے یار میں

تو بجا کہ موت ہی غم کا علاج ہے
اے دوست موت بھی تو نہیں اختیار میں

دیوانے کیوں اڑاتے ہیں دامن کی دھجیاں
اس کا جواب دینگے تمہیں ہم بہار میں

جب انکے آنے کی کوئی امید ہی نہیں
پھر خاک لطف آئیگا جگر انتظار میں

دل کو اس بت کی محبت میں پھنسا بیٹھا کیوں
خود ہی پھر تیرے تلے دامن کو دبا بیٹھا کیوں

ایک دن دیکھی تھی اس شوخ کی تصویر کہیں
میں اسی روز سے تصویر بنا بیٹھا کیوں

حشر اٹھے گا تو اٹھوں گا یہاں سے اے دوست
نقشِ پا بن کے ترے کوچے میں آ بیٹھا کیوں

اس کا انجام ہو کیا یہ تو خدا ہی جانے
رخِ روشن سے ترے پردہ اٹھا بیٹھا کیوں

ان بتوں پر کچھ اثر آہوں کا ہوتا ہی نہیں
جگر ان تیروں کو سو بار چلا بیٹھا کیوں

سینے میں اگر دِل ہے تو دلدار بہت ہیں
اِس مال کے دُنیا میں خریدار بہت ہیں
آرام کہاں عشق میں آزار بہت ہیں
اِس باغ میں گُل کم ہیں مگر خار بہت ہیں
اب شربتِ دیدار وہ کِس کِس کو پلائیں
پاس اُن کے انار ایک ہے بیمار بہت ہیں
کیوں اسے نگہٗ ناز ترا ناز اُٹھاؤں
حب دِل کے لئے خنجرِ خونخوار بہت ہیں
لینا کوئی چاہے تو اُسے مفت ہی دے دیں
ہم اِس دِل بےتاب سے بیزار بہت ہیں
وہ جتنے وفادار ہیں کس کو نہیں معلوم
کہنے کو تو کہتا ہوں وفادار بہت ہیں
اب دیکھنا یہ ہے کوئی پاتا ہے شفا بھی
اُس نرگسِ بیمار کے بیمار بہت ہیں
اِن شوخ حسینوں سے جگر دُور ہی رہنا
عیار بہت ہیں یہ دل آزار بہت ہیں

مجھ کو اِدھر اُدھر کے خیالوں میں ڈال کر
پہلو سے لے گئے وہ مرا دِل نکال کر

کوئی جمال دیکھنے والا نہیں رہا
چھپتا رہے ہیں وہ مری آنکھیں نکال کر

افسوس میرے سامنے مٹی میں مِل گئے
ارماں جو میں نے رکھے تھے دِل میں سنبھال کر

آنکھیں نکال کر وہ مجھے دیکھتے ہیں یوں
رکھ دیں گئے جس طرح مری آنکھیں نکال کر

مارا ہوا ہوں نرگسِ بیمارِ یار کا
نرگس کے پھول دیجیئے مجھ کو اُبال کر

راہِ طلب میں لاکھ نشیب و فراز ہیں
چلنا اِدھر اُدھر سے جگر دیکھ بھال کر

ہم نے دِل اِن بتوں کو دیا پھر کسی کو کیا
اسلام کو سلام کیا پھر کسی کو کیا
دامن کسی کا چاک جو کرتے، تھا اعتراض
اپنا ہی جیب چاک کیا پھر کسی کو کیا
کھینچ آئے کھینچ لائی جو بت خانے کی کشش
کعبے کو ہم نے چھوڑ دیا پھر کسی کو کیا
زخم بھی ہزار کھائے ہیں اس بت کے عشق میں
خونِ جگر بھی ہم نے پیا پھر کسی کو کیا
اُس چشمِ مے فروش کی اُلفت میں اے جگرؔ
ساغر کو ہم نے توڑ دیا پھر کسی کو کیا

نے کیوں چہرے کو پردے میں چھپا رکھا ہے
شمع پہ کاغذی فانوس چڑھا رکھا ہے

یکھتا رہتا ہوں میں پہروں مسلسل اس کو
تیری تصویر نے تصویر بنا رکھا ہے

یری فریاد پہ وہ اور بگڑ کر بولے
"ارے کم بخت یہ کیا شور مچا رکھا ہے"

ل بہل جاتا ہے ہر شخص کا بت خانے میں
تو ہی اے شیخ بتا کعبے میں کیا رکھا ہے

ل مضطر کے بہلنے کی یہی ہے صورت
تری تصویر کو سینے سے لگا رکھا ہے

یوں نہ جھکا دل نہ ترے در پہ مسلسل اس کو
سر اسی واسطے خالق نے بنا رکھا ہے

ر بھی ہو جائے اگر سینے سے دل کی چوری
کس لئے تجھ کو جگر پاس بھی رکھا ہے

اوّل تو وہ ہم سے کوئی وعدا نہیں کرتے
کرتے بھی ہیں تو پھر اُسے پُورا نہیں کرتے

اپنے سے حسیں کو وہ گوارا نہیں کرتے
اب خیر سے آئینہ بھی دیکھا نہیں کرتے

اُس بت کو مرے اشکوں پہ رحم آئے تو کیونکر
پتھّر کبھی پانی سے تو پگھلا نہیں کرتے

پروانے سے کچھ کم نہیں سوزِ جگر اپنا
ہم اِس کا مگر بزم میں چرچا نہیں کرتے

اُس گُل کی جفاؤں پہ بھی خاموش رہے ہیں
بُلبل کی طرح ہم اُسے رسوا نہیں کرتے

ہم سے اگر اُن کو کوئی شِکوا ہے تو یہ ہے
ہم اُن سے کسِی بات کا شِکوا نہیں کرتے

جس بات پہ ہو بعد میں کچھ ہم کو ندامت
وُہ بات کبھی مُنہ سے نکالا نہیں کرتے

شبنم نے کچھ اچھا نہ کیا محفلِ گُل میں
ہنستوں کو جگر دیکھ کے رویا نہیں کرتے

ری نگاہ مجھ کو بیگانہ کہہ رہی ہے
ہے جھوٹ جو سراسر افسانہ کہہ رہی ہے

لم تری گلی میں اُڑ اُڑ کے میری مٹی
میری تباہیوں کا افسانہ کہہ رہی ہے

ری تباہیوں کا باعث بنے گا اک دن
تُو عندلیب جس کو کاشانہ کہہ رہی ہے

س شمع رُو پہ جب سے دل آ گیا ہے میرا
اُس دن سے مجھ کو دنیا پروانہ کہہ رہی ہے

رمان کیسے کیسے اِس دل میں بس رہے ہیں
دُنیا اِسے جگر کیوں ویرانہ کہہ رہی ہے

آزاد آج تک تھے بتوں کے اثر سے ہم
بچ کر نہ رہ سکے ترے تیرِ نظر سے ہم

توہین ہے تمہارے رُخِ تابناک کی
تشبیہ دیں اگر اُسے شمس و قمر سے ہم

پروانے کی طرح نہیں ہم کو تلاشِ شمع
جل جائیں گے خود اپنے ہی سوزِ جگر سے ہم

ہر ذرہ اِک چمکتا ہُوا آفتاب ہے
دیکھیں اُسے جو چشمِ حقیقت نگر سے ہم

تکمیلِ داستانِ محبت کے واسطے
کچھ تم بڑھو اُدھر سے بڑھیں کچھ اِدھر سے ہم

کیا مطمئن ہیں زندگیِ جاوداں سے آپ؟
پُوچھیں گے یہ ضرور ملے جب خضر سے ہم

تاریک تو ہیں ہجر کی راتیں بہت، مگر
روشن کریں گے اِن کو بھی داغِ جگر سے ہم

اس سرو قد کے عشق میں حاصل ہو کیا جگرؔ
رکھتے ہیں دوستی شجرِ بے ثمر سے ہم

پڑے ہیں ہم کسی کے آستاں پر
دماغ اپنا نہ ہو کیوں آسماں پر

گری ہے برق میرے آشیاں پر
دھواں چھایا ہے سارے گلستاں پر

تمہاری آرزو ہے میرے دل میں
تمہارا نام ہے میری زباں پر

جہاں گل بلبلوں کے چہچہے تھے
گلستاں میں پڑے ہیں اب "وہاں" پر

جبینِ یار پر قطرے عرق کے
چمکتے ہیں ستارے آسماں پر

جگر پٹکا رہے ہیں شکلِ خونیں
کسی ہمدم کی مرگِ ناگہاں پر

[illegible]

پوچھتے رہتے ہیں اکثر رہنمائے دل سے ہم
آشنا کس وقت ہوں گے عشق کی منزل سے ہم

اس جگہ کا ذرہ ذرہ جوہرِ شمشیر ہے
کس طرح نکلیں سلامت کوچۂ قاتل سے ہم

شیشے سے پتھر کو ٹکراتے نہیں اہلِ خرد
دل ملانے کے نہیں اس سنگدل کے دل سے ہم

ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھ دیں بس اگر اپنا چلے
ہو گئے ہیں اس قدر بیزار اپنے دل سے ہم

یہ سماں، یہ دلکشی، یہ لطف اس میں ہے کہاں
خلد کو تشبیہہ کیا دیں گے تری محفل سے ہم

آئے تھے لینے کو گل عیش و مسرت کے مگر
جا رہے ہیں لے کے داغِ غم تری محفل سے ہم

کیا رہِ عشق و محبت کی کوئی منزل بھی ہے؟
پوچھتے پھرتے ہیں ہر اک رہبرِ کامل سے ہم

دل یہ کہتا ہے کہ اب منزل بہت نزدیک ہے
جب سے وابستہ ہوئے اک رہبرِ کامل سے ہم

سمتِ جانی کا برا ہو اے جگر اس کے سبب
ہو کے ناامید نکلے کوچۂ قاتل سے ہم

۳ - میری مراد استادِ گرامی جناب ساحر سیالکوٹی سے ہے -

…سُنتا ہے فلک اپنی نہ سُنتی ہے زمیں اپنی
ہمیں کو سُننی پڑتی ہے صدائے واپسیں اپنی

…جاتی ہے یہ صورت میں خوشبوئے گل کے دامن سے
نکل جائے گی تن سے ایک دن جانِ حزیں اپنی

…ام گلستاں زاغ و زغن کے ہاتھ میں آیا
سُنائے اب کسے بلبل نوائے دل نشیں اپنی

…جیتے جی قرار آیا نہ مر کر ہی قرار آیا
قیامت تک تڑپتی ہی رہی جانِ حزیں اپنی

…ں میں بھی کس[illegible]ی نہ ہم نے اہلِ دانش سے
اُنہیں کے جیب کو پھاڑا نہ چھیڑی آستیں اپنی

…ی جوشِ جنوں پہ کوئی قابو پا نہیں سکتا
نہ دامن ہی بچا اپنا نہ ٹھہری آستیں اپنی

…ہے قیمت اگر اُن کو یہ نذرانہ پسند آئے
جگر حاضر ہے اُن کے واسطے جانِ حزیں اپنی

تُو نے ستم مُجھ پہ کیا کیا کیا
اپنے پرستار کو رُسوا کیا

یہ تو بجا آپ نے وعدا کیا
یہ بھی کہیں کب اُسے پُورا کیا

موت کو مَیں کیوں نہ مسیحا کہوں
اُس نے مرے درد کا چارا کیا

اُٹھ نہ سکے پُوری طرح رنج و غم
کتنا بڑا عُمر نے دھوکا کیا

داغ دیئے، رنج دیئے، غم دیئے
جو بھی دیا آپ نے اچھا کیا

کیوں نہ کروں جان میں تجھ پر نثار
حق نے اسی کے لئے پیدا کیا

شغل مرا تھا یہ ترے ہجر میں
دن کو فغاں رات کو نالا کیا

گُل کی طرح ہو گیا وہ بے زباں
جس نے جگر دہر میں پیدا کیا

محفل میں ہوش رُبا جلوے دانستہ دِکھائے جاتے ہیں
ہم خود نہیں بنتے دیوانے، دیوانے بنائے جاتے ہیں

نرگس کی سی آنکھیں، سرو سا قد، لالے کا سا رُخ گُل کی سی ہنسی
انداز سراسر گلشن کے اُس شوخ میں پائے جاتے ہیں

گر جائے جو نظروں سے کوئی پھر اُس کو اُٹھانا مشکل ہے
تارے جو عرش سے ٹوٹتے ہیں کب عرش پہ لائے جاتے ہیں

دستور نرالا ہی دیکھا ہم نے تو تمہاری محفل کا
بیگانے بٹھائے جاتے ہیں اور اپنے اُٹھائے جاتے ہیں

ہم حسن و عشق کے جھگڑے کو اِک روز مٹا کر چھوڑیں گے
وہ ہم میں سمائے جاتے ہیں ہم اُن میں سمائے جاتے ہیں

خود دل پہ کیا گزری ہم سے یہ بات نہ پوچھے گا
ہو کر مجبورِ عشق وہ ناز اُن کے اُٹھائے جاتے ہیں

جو لوگ قدم رکھتے ہیں جگہ عشق و الفت کی وادی میں
وہ نقش کفِ پا کی صورت مٹی میں ملائے جاتے ہیں

ایسے کم دیکھنے میں آئے ہیں
غم میں جو لوگ مسکرائے ہیں

آپ جس وقت مسکرائے ہیں
دہر میں انقلاب لائے ہیں

پردہ داری تو دیکھئے اُن کی
خواب میں پردہ کرکے آئے ہیں

رہتا ہے اُن کے روبرو ہر وقت
کیا نصیب آئینے نے پائے ہیں

روزِ فرقت جگر کے داغوں نے
دن کو تارے ہمیں دکھائے ہیں

ہم نے اے دوست اپنے سجدوں سے
سینکڑوں بُت خدا بنائے ہیں

چاند تاروں سے بھی حسیں چہرے
موت نے خاک میں ملائے ہیں

آپ کی ایک مُسکراہٹ پر
ہم نے قلب و جگر لُٹائے ہیں

آسماں پر وہ دیکھ ماہ و نجوم
تیرا دیدار کرنے آئے ہیں

وہ کہی ہے جو مجھ پہ گذری ہے
آپ کیوں اتنے تلملائے ہیں

تیرے بیمارِ غم کی پُرسش کو
جو گئے ہیں اداس آئے ہیں

اے جگر دیکھ، کھول بھی آنکھیں
پُرسشِ حال کو وہ آئے ہیں

...م مر کر ہی ہُوا کرتی ہے دیوانوں کی
شمع بھی روتی ہے اب خاک پہ پروانوں کی

...ں سے ارمان کسی طور نکلتے ہی نہیں
اتنی جرأت کبھی دیکھی نہ تھی مہمانوں کی

...تھ پھولوں کو لگائیں تو وہ شعلے بن جائیں
دیکھیے قسمت کوئی سوختہ سامانوں کی

...اِن دِل ہم نے پلایا ہے ترے تیر دِل کو
اتنی خاطر کوئی کرتا نہیں مہمانوں کی

...خِ تاباں سے اُٹھایا جو کسی نے پردا
کس قدر بھیڑ ہوئی بزم میں پروانوں کی

...فرشتوں کے تھے حاکم وہ ہیں بندوں کے غلام
اتنی آفت ادا الٰہی! ترے انسانوں کی

...ں ہیں جل جل کے ہر اِک خاک ہُوا جاتا ہے
میرا دِل مرگھٹ بنا ہے مرے ارمانوں کی

...طِ فریاد و فغاں سے ہے مرے دِل کا یہ حال
جیسے زد میں ہو سفینہ کوئی طوفانوں کی

...ے جگر جن پہ گُل و سرو کے سائے تھے کبھی
چھانتے پھرتے ہیں وہ خاک بیابانوں کی

دلِ بے خرد نے مری اک نہ مانی
محبت کے ہاتھوں لٹا دی جوانی

سُنی آپ نے میرے غم کی کہانی
نوازش ۔ عنایت ۔ کرم ۔ مہربانی

کوئی زندگی کی تمنّا نہ کرتا
اگر اس میں ہوتا نہ عہدِ جوانی

ترے رُوئے زیبا کو دیکھا جو اُس نے
ہُوا آئینہ شرم سے پانی پانی

زمانے میں مشہور ہیں دو ہی چیزیں
ہماری محبت تمہاری جوانی

بس اب ختم کر غم کے قصّے کو اے دل
کہاں تک سُنے کوئی تیری کہانی

لگائیں نہ کیوں آگ اشعار میرے
نہاں ان میں ہے میرا سوزِ نہانی

محبت کی بازی اگر جیتنی ہے
لگا دے جگر داؤ پہ زندگانی

کھا رہا ہے اب مجھے یہ غم ترے آنے کے بعد
حال کیا ہوگا مرا تیرے چلے جانے کے بعد

کیوں تڑپتا ہے اب اِتنا زیرِ دام آنے کے بعد
دام کو بھی دیکھ لینا تھا تجھے دانے کے بعد

زندگی میں جو اُٹھا سکتے نہیں دو پھول بھی
سینکڑوں پتھر اُٹھا لیتے ہیں مر جانے کے بعد

پاؤں پھیلانے ہیں دُنیا میں تو یہ بھی سوچ لے
ہاتھ پھیلانے پڑیں گے پاؤں پھیلانے کے بعد

آرزوؤں سے کبھی خالی نہ دیکھا ہم نے دل
اور اِک دو آ گئیں اِک دو نکل جانے کے بعد

کبھی باندھا ہوا مضمون نہ باندھا میں نے
پھول سونگھا ہوا زنہار نہ سونگھا میں نے

لطفِ ہستی مجھے کیا خاک میسّر ہوتا
آخری سانس ہر اک سانس کو سمجھا میں نے

خون جس نے مری ہر ایک تمنّا کا کیا
اُسی ظالم کو کہا "جانِ تمنّا" میں نے

حالِ دل کہنے کا جب کوئی طریقہ نہ ملا
خامشی کو لبِ فریاد بنایا میں نے

احترام اور میں کیا کرتا تری اُلفت کا
رکھ کے سینے میں ترے غم کو بھی پوجا میں نے

ایک کافر کی محبت کا سہارا لے کر
دین و ایماں کے ہر اک پھندے کو توڑا میں نے

اس کو آغاز میں انجام سے آگاہ کیا
نفسِ امّارہ کو تدبیر سے مارا میں نے

دیر و کعبہ میں ترا نام سنا ہے لیکن
کہیں دیکھا نہ ترا نقشِ کفِ پا میں نے

سانس رُکنے پہ جو دم توڑ دیا میں نے جگر
رازِ ہستی فقط اک آن میں کھولا میں نے

ـے ہاتھ میں جب جام وقتِ شام آتا ہے
نہیں پھر رحم مجھ پر گردشِ ایام آتا ہے

ـب وعدہ یہ کہہ کر دلِ مضطر کو بہلایا
" ابھی آتے ہیں یا اُن کا ابھی پیغام آتا ہے "

کچھ اہتمامِ مے کشی کی فکر بھی یارو!
ڈھلا جاتا ہے دن اب سر پہ وقتِ شام آتا ہے

ـا اُن سے ذکر کرتا ہوں حسینوں کا تو کہتے ہیں
" بتاؤ کون سے نمبر میں اپنا نام آتا ہے "

ـنا کیوں کروں تم سے دلِ ناکام کی خاطر
ضرورت ہے تو رکھو یہ مرے کس کام آتا ہے

جب اُن کی محفل میں میں جاتا ہوں تو کہتے ہیں
" وہ کوئے عاشقی کا بندۂ بدنام آتا ہے "

جلتا ہے شبِ ہجر مرا دل بھی جگر بھی
سینے میں مرے آگ اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

کیوں خاک اُڑانے کو میں ویرانے میں جاؤں
ویرانے سے کچھ کم نہیں ویراں مرا گھر بھی

مُنہ پھیر کے محفل میں اُدھر بیٹھنے والے
بیٹھے ہیں ترے طالبِ دیدار اِدھر بھی

دِل کو تو دکھائے ہیں بہت آپ نے جلوے
اِن پھولوں سے بھر دیں مرا دامانِ نظر بھی

بے سود ہے یہ دُوریِ منزل کی شکائت
پہلے یہ کہو دِل میں ہے کیا عزمِ سفر بھی

کیا فتنے اُٹھائے ہیں تری چال نے ہر سُو
ہنگامۂ محشر ہے بپا دیکھیں جدھر بھی

جاتے ہو مرے دِل سے تو یہ بات بھی سوچو
مِل جائیگا تم کو کہیں اِس شان کا گھر بھی

اُس بُت کا ہی دیوانہ بنانا تھا جو مجھ کو
یارب! مجھے پھر دینا تھا پتھر کا جگر بھی

ان کا رخ پھول کھلا ہو جیسے — ان کا قد سرو کھڑا ہو جیسے

ایک پل ہجر کا توبہ توبہ — ایک یگ بیت گیا ہو جیسے

تیرے دیوانے کے گرد اتنا ہجوم — اس میں بھی تیری ادا ہو جیسے

ان کی فرقت میں مرا حال نہ پوچھ — شاخ سے پھول جدا ہو جیسے

جانفزا آج ہے یوں بادِ صبا — تیری سانسوں کی ہوا ہو جیسے

یہ جوانی یہ ترا حسن و جمال — حشر میں حشر بپا ہو جیسے

پا کر اس بت کو خدا بھول گیا — وہ خدا سے بھی سوا ہو جیسے

آج یوں خوش نظر آتا ہے دل — ان کا دیدار ہوا ہو جیسے

بار بار اٹھتا ہے یہ دل میں خیال — وہ مجھے بھول گیا ہو جیسے

جگر اس بت ہی کا ذکر آٹھوں پہر
وہی اک تیرا خدا ہو جیسے

جب سے سنا ہے آمدِ فصلِ بہار ہے
دامن میں تار ہے نہ گریباں میں تار ہے

اے دل وہ کینہ جو ہے بہت بد شعار ہے
اب مان یا نہ مان تجھے اختیار ہے

غنچہ ہے دِل گرفتہ تو گُل دِل فگار ہے
کیوں کر کہوں کہ باغ میں جشنِ بہار ہے

دونوں کا ایک حال محبت نے کر دیا
اُن کو قرار ہے نہ مجھی کو قرار ہے

مشقِ ستم کے واسطے ملتا نہیں کوئی
میری طرح وہ خود بھی بہت بیقرار ہے

زاہد نہ ذکر چھیڑ تو حورانِ خلد کا
اس وقت میرے سامنے تصویرِ یار ہے

جب میں نے تجھ سے کوئی گلا ہی نہیں کیا
پھر اے نگاہِ ناز تو کیوں شرمسار ہے

آنکھوں سے بہہ کے جو ترے دامن پہ آ گرا
وہ اشکِ غیرت گہرِ آبدار ہے

تیغِ ادا کے وار سے کوئی نہ بچ سکا
دل بھی مرا فگار جگر بھی فگار ہے

قسمت کی بات دیکھئے اُس بزمِ ناز میں
کوئی ہے شاد کام کوئی اشکبار ہے

دِل چیز کیا ہے جان بھی کر دوں جگرؔ نثار
اِک بار وہ کہے کہ مجھے تم سے پیار ہے

ہیں ستم اُن کے تو اُلفت کا اثر ہونے تک
ہم نہیں ہونے کے یہ معرکہ سر ہونے تک

اُن کا ارشاد کہ جانے دے مجھے جانے دے
میری منت کہ ٹھہر جاؤ سحر ہونے تک

اُن کی فطرت کو بدلنے کا جنوں ہے دل کو
خود بدل جائے نہ یہ معرکہ سر ہونے تک

ہم نے مانا کہ اثر ہوگا ضرور آہوں کا
کون جیتا ہے مگر اِن کا اثر ہونے تک

اُن کے آنے پہ بھی آنسو مرے بہتے ہی رہے
ڈوب جاتے ہیں ستارے تو سحر ہونے تک

شمع بھی ساتھ مرے شام کو جلنے تو لگی
دیکھئے ساتھ بھی دیتی ہے سحر ہونے تک

چشمِ تر پہ مَیں جگر ناز تو کرتا تھا بہت
آتشِ عشق بڑھی خاک جگر ہونے تک

○

گُل کھلائے گی تری آنکھوں کی مستی ایک دِن
عام ہو جائے گا شغلِ مے پرستی ایک دِن
آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں بجھانے کی اسے
خود بخود بجھ جائے گی یہ شمعِ ہستی ایک دِن
حق پرستی کے سبب منصورؔ سولی پر چڑھا
جان لیتی ہے بشر کی حق پرستی ایک دِن
بزم میں وہ خود ہمارے سامنے آئینگے کیا
ہم کو ہی کرنی پڑے گی پیش دستی ایک دِن
حسرتیں دِل کی یونہیں برباد اگر ہوتی رہیں
ہو رہے گی سربسر ویراں یہ بستی ایک دِن
پارسائی بھی زمانے میں ہے اب رُسوا بہت
ہم کو کرنی ہی پڑے گی مے پرستی ایک دِن
جانتا ہوں اے جگرؔ میں اُس کو پانے کیلئے
مجھ کو گم کرنی پڑے گی اپنی ہستی ایک دِن

بے مدعا کسی کو کوئی چاہتا نہیں
مَیں چاہتا ہُوں تجھ کو کوئی مُدعا نہیں

مَیں تو یہ کہہ رہا ہوُں کہ تُو بے وفا نہیں
دُنیا جو کہہ رہی ہے وُہ تُو نے سُنا نہیں؟

کِس دِل پہ تیرے حُسن کا جادُو چلا نہیں
محفل میں کس کے لب پہ ترا تذکرا نہیں

سب کچھ ہے شہرِ حُسن میں موجُود کیا نہیں
لیکن کہیں بھی نام و نشانِ وفا نہیں

جھکتے ہیں آدمی ہی کے قدموں پہ آدمی
پھر بھی یہ لوگ کہتے ہیں بندہ خُدا نہیں

سانس آئے زندگی ہے نہ آئے تو موت ہے
موت اور زندگی میں کوئی فاصلا نہیں

رُوپ اصلی دیکھنا ہے اگر اپنے دِل میں جھانک
دُنیا میں اِس سے بڑھ کے کوئی آئینا نہیں

کچھ بھی نہیں ہے حسن مگر پوچھتے ہیں سب
سب کچھ ہے عشق اِس کو کوئی پوچھتا نہیں

تا حشر اِس کا رنگ نہ اُترے گا ہاتھ سے
یہ دل جلوں کا خون ہے رنگِ حنا نہیں

فریاد کو سمجھتے ہوں جو لوگ اِک گِلہ
فریاد اُن سے کرنے کا کچھ فائدہ نہیں

لب پر تِرے جگر کی بُرائی ہے رات دِن
اچھا تو وہ نہیں مگر اِتنا بُرا نہیں

اُٹھ جام اُٹھا دیکھو اُدھر ابر اُٹھا ہے
اے ساقیِ مے خانہ تو کیا سوچ رہا ہے

بڑھنے کو بشر چاند سے بھی آگے بڑھا ہے
یہ دیکھیے کردار بڑھا ہے کہ گھٹا ہے

وہ پاس ہیں، سبزہ ہے لبِ جُو ہے گھٹا ہے
ایسے میں خطا کوش نہ ہونا بھی خطا ہے

یہ مان لیا جور و ستم مجھ پہ روا ہے
اِتنا تو بتا دیجیے کیا میری خطا ہے

تجھ کو نہ شکایت نہ کوئی مجھ سے گلا ہے
جو کچھ بھی ہے وہ اپنے کئے ہی کی سزا ہے

منظور کسی کو بھی نہیں، خاک میں ملنا
آنسو بھی لرزتا ہوا آنکھوں سے گرا ہے

میں کہتا ہوں "اب اور ستم سہہ نہیں سکتا"
وہ کہتے ہیں "ہم نے ابھی آغاز کیا ہے"

کیوں جاؤں نہ اپنی نگۂ شوق کے قرباں
سو پردوں میں بھی میں نے تجھے دیکھ لیا ہے

میں ہار کے جب بیٹھ گیا دل نے صدا دی
"آ اس سے ملا دوں تو جسے ڈھونڈ رہا ہے"

اس دور میں کہتے ہیں شرافت نہیں چلتی
ہم نے تو شرافت سے بڑا کام لیا ہے

ارمان نکالا ہے مرے دل کا کسی نے
تا حشر سلامت رہے وہ میری دعا ہے

کہنے کو تو کہتے ہیں تجھے لوگ مسیحا
کیا دردِ جگر کی بھی ترے پاس دوا ہے؟

اُس کوچے میں جانے کی یہ تو نے جو ٹھانی ہے
کچھ سوچ دلِ ناداں کیا جان گنوانی ہے

کیا خوب تری صورت کیا خوب جوانی ہے
یہ صبح قیامت ہے وہ صبح سہانی ہے

اشکوں کی روانی پہ یہ داد ملی مجھ کو
"بہتا رہے محشر تک کیا صاف یہ پانی ہے"

حالِ شبِ غم سن کر یوں کہنے لگا کوئی
"کیا خوب یہ قصہ ہے کیا خوب کہانی ہے"

پلکوں نے بہت روکا لیکن نہ رکے آنسو
تنکوں سے یہ کیا رکتی دریا کی روانی ہے

پیغام تو آیا ہے وہ آئیں گے ملنے کو
کیا مجھ کو یقین آئے پیغام زبانی ہے

جب آہ بھری میں نے آنسو بھی تو نکلینگے
پروائی کا چلنا بھی بارش کی نشانی ہے

دل لاکھوں کا لوٹا ہے لی جان ہزاروں کی
چنگیز سے ظالم تر اُس بت کی جوانی ہے

دل دے کے جگر اُن کو اب جان نہ دونگا میں
یہ فیصلہ ٹھہرا ہے اب دل میں یہ ٹھانی ہے

اتنا تو وہ بھی مجھ کو ستاتے نہ تھے جگرؔ
جتنا ستا رہا ہے خیال اُن کا آج کل

شکستہ شیشۂ دل کو لئے پھرتا ہوں ہر جانب
کوئی آئینہ گر ملتا نہیں جو جوڑ دے اس کو

سب چاہتے ہیں مر کے بہشتِ بریں ملے
میں چاہتا ہوں تیری گلی میں زمیں ملے
محشر میں اپنی اپنی پڑی تھی ہر ایک کو
میں اس تلاش میں تھا کہ وہ نازنیں ملے
میرے سوالِ دید پہ خاموش کیوں ہیں آپ
کچھ تو جواب آپ کی "ہاں" یا "نہیں" ملے
میری یہ عرض دل ہی پہ آپ اکتفا کریں
اُن کا یہ حکم ساتھ ہی جانِ حزیں ملے

مشتعم! تو قائلِ وحدت بھی صابر نہیں مگر
شاگرد ہیں ہم اگر ہمیں نانِ جویں ملے

ہو کاش میری آہ میں تاثیر اس قدر
بیتاب ہو کے خود مجھے وہ نازنیں ملے

اک وقت تھا حسینوں کو میری تلاش تھی
اب میں تلاش میں ہوں کہ کوئی حسیں ملے

میرے خیال میں تھی وہی رہ گزارِ دوست
ہر نقشِ پا پہ سینکڑوں نقشِ جبیں ملے

دے دوست زہر بھی تو میں پی لوں بصد خوشی
منہ پھیر لوں عدو سے اگر انگبیں ملے

کعبے میں بت کدے میں بیاباں میں باغ میں
ہم اس کو ڈھونڈتے ہیں، نہیں وہ کہیں ملے

دیکھے ذرا جو چشمِ حقیقت نگر سے قیس
صحرا کے ذرے ذرے میں محمل نشیں ملے

اُن سا حسین اور نہ دیکھا کوئی جگرؔ
ملنے کو تو جہاں میں بہت سے حسیں ملے

پھر آ گئی آج کسی رشکِ گُل کی یاد مجھے
نفس نفس مرا گُل کی طرح مہکتا ہے

کسی گلاب سے چہرے کی یاد میں ہیں رواں
ہو کیوں نہ رنگ گلابی ہمارے اشکوں کا

واہشیں کرتا ہوں پیدا دل جلانے کے لئے
بجلیوں کو پالتا ہوں آشیانے کے لئے
ورِ حشر! ایک دن سارے زمانے کیلئے
ایک دن ہو وقف میرے ہی ستانے کے لئے
ل گیا سر کو وہ سنگِ در سرہانے کے لئے
ل گئی منزل مسافر کو ٹھکانے کے لئے

میں نے جو تنکے چنے تھے آشیانے کے لئے
برق کے ساتھی ہیں مجھ کو مٹانے کے لئے

حسرتوں کا ہو گیا ہے اس قدر دل میں ہجوم
سانس رستہ ڈھونڈتی ہے آنے جانے کیلئے

شرحِ غم کیواسطے لازم ہیں آنسو خون کے
چاہیئے رنگیں عبارت اس فسانے کے لئے

بیٹھئے کچھ اپنی کہیئے اور کچھ سنیئے مری
آپ آتے ہی ہوئے بیتاب جانے کے لئے

یہ تو ہو سکتا ہے سن کر رحم آ جائے انھیں
دل کہاں سے لاؤں حالِ دل سنانے کے لئے

دل ہمارا لے کے رکھ لو اپنے دل کے پاس تم
کام آئے گا تمہارے غم اٹھانے کے لئے

یہ تبسم یہ ادا یہ ناز یہ چتون تری
سارے خنجر ہیں مرے دل پر چلانے کیلئے

پارسائی چھوڑیئے عہدِ جوانی میں جگر
یہ زمانہ ہوتا ہے پینے پلانے کے لئے

اُس نے دیکھا مری آنکھوں سے جو بہتا پانی
ہو گیا شرم سے دریا کا کلیجا پانی

آتشِ غم نے کیا خشک بدن کا پانی
لاکھ کوشش پہ بھی آنکھوں سے نہ نکلا پانی

وہ شبِ ہجر مرے دیدۂ تر کو دیکھے
جس نے دیکھا نہ ہو ساون میں برستا پانی

پانچویں دسویں دن اِس واسطے رو لیتا ہوں
دیر تک رُکنے سے ہو جاتا ہے گندا پانی

اہلِ زنداں کریں اشکوں پہ گذارا اپنا
قید خانوں میں بھی ملتا ہے دانا پانی

اشک کم ہونے نہ پائے مری آنکھوں میں کبھی
یہ وہ دریا ہیں کبھی جن کا نہ اُترا پانی

تُو نے غرقاب کیا مجھ کو جلایا مجھ کو
اشکِ غم! اب میں تجھے آگ کہوں یا پانی

عشق کو مَیں تو فقط کھیل سمجھتا تھا مگر
کر دیا اُس نے مرا خون پسینا پانی

یہ جو حضرتِ ساقی کا کرم ہے ورنہ
مجھ سے اس سخت زمیں سے نہ نکلتا پانی

برق کی زد میں ہیں سب گلشن — کون کرے تعمیر نشیمن
لاکھ آرام قفس میں ہو پھر بھی — اپنا گلشن، اپنا گلشن
اشک مرے موتی بن جاتے — مل جاتا جو تیرا دامن
شمس و قمر کو بھی دیکھا ہے — تیرا جوبن، تیرا جوبن
فرق نہیں کچھ خار و گل میں — یہ گلشن ہے اپنا گلشن
کس کے جلوے کا پرتو ہے — طور بنا ہے دل کا آنگن
دستِ جنوں نے اک کر ڈالا — چاکِ گریباں، چاکِ دامن
میرے دل کی دنیا لوٹی — کیوں نہ کہوں میں تجھ کو رہزن
دونوں ہیں یہ تیرے بندے — کیوں لڑتے ہیں شیخ و برہمن
اس میں ہے تصویر تمہاری — توڑتے کیوں ہو دل کا درپن
پاس نہیں تو گلشن صحرا — پاس ہو جب تم صحرا گلشن

داغِ جگر کے فیض و کرم سے
رات اپنی ہے روزِ روشن

جُدائی میں روا گو نالۂ پیہم نہیں ہوتا
مگر ہم کیا کریں ایسے میں ضبطِ غم نہیں ہوتا

تمہارا روئے تاباں مہر سے گو کم نہیں ہوتا
ہمارا دیکھنا کم پھر بھی اے ہمدم نہیں ہوتا

جو ہر اک در پہ خم ہوتا ہے اُس کو سر نہیں کہتے
جو سر ہوتا ہے وہ ہر ایک در پر خم نہیں ہوتا

تمہارے حسن کی یہ خو تمہارے غم میں بھی دیکھی
یہ بڑھتا تو چلا جاتا ہے لیکن کم نہیں ہوتا

مرے بالیں سے ہر اک چارہ گر یہ کہہ کے اٹھا ہے
"جگر کا زخم ہے اِس کا کوئی مرہم نہیں ہوتا"

یہ شہرِ حسن ہے اے طائرِ دل ہوش سے رہنا
یہاں ہر آدمی صیاد سے کچھ کم نہیں ہوتا

بہا کر لے چلے مجھ ناتواں کو اُس کے کوچے میں
اب اتنا کام بھی اے دیدۂ پُرنم نہیں ہوتا

ہمارے رونے پر وہ گُل ہنسے یہ غیر ممکن ہے
ہمارا گریۂ غم گریۂ شبنم نہیں ہوتا

ہم اُن کو اِک نبّت پر تو دل دینے پہ راضی ہیں
جگر اِس جنس کا مول اور ہم سے کم نہیں ہوتا

اب تو کر دیں معاف مجھ کو حضور
اس سے آگے نہ ہو گا کوئی قصور

اس لئے میں گناہ کرتا ہوں
جانتا ہوں تو بخش دیگا ضرور

صبر کا اس طرف ہوں میں عادی
جبر پہ اس طرف ہیں وہ مجبور

جتنا آتا ہوں آپ کے میں قریب
اتنے رہتے ہیں آپ مجھ سے دور

سینکڑوں اہلِ عشق ہوتے ہیں
ان میں ہوتا ہے کوئی اک منصور

جذبۂ دل پہ ناز ہے ہم کو
اک دن آنا پڑے گا ان کو ضرور

دوست ہم کو جگر ملا ہے عجیب
بے وفا ۔ سنگدل ۔ بہت مغرور

یری طرح تو غیر پہ بھی ہاتھ اُٹھا کے دیکھ
ثابت قدم ہے عشق میں کون آزما کے دیکھ

برقی ہے دل پہ برق گرے اس کا غم نہیں
اک بار اس طرف تو ذرا مسکرا کے دیکھ

دونوں ہیں نرم و نازک و خوش رنگ، کون ہے
پھولوں سے اُن کے سُرخ لبوں کو مِلا کے دیکھ

قائل ہیں تیرے حُسن کی تابانیوں کے ہم
اے آفتاب! اُن کے مقابل تو آ کے دیکھ

اے شیخ! کر نہ کعبے میں برباد زندگی
اُٹھ بتکدے میں جا کے کرشمے خدا کے دیکھ

تنہا مجھے مٹانے میں مشکل ہو کچھ اگر
اِس کام میں تو ساتھ فلک کو مِلا کے دیکھ

یہ کیا کہا کہ مدِ مقابل نہیں کوئی
پہلے تو آئینے کے مقابل تو آ کے دیکھ

سُنتا ہوں تجھ کو سیرِ گلشن کا شوق ہے
داغوں کی یہ بہار مرے دل میں آ کے دیکھ

بُلبل کو اپنی نغمہ سرائی پہ ناز ہے
مُطرب! اُسے کلام جگر کا سُنا کے دیکھ

پہنچی ہے اپنی بادہ کشی اس مقام پر
سوتے ہیں مے کدے ہی میں سر رکھ کے جام پر

پونم کی شب وہ آتے ہیں دانستہ بام پر
کہتے ہیں خوب پھبتیاں ماہِ تمام پر

ہر رند کے ہے نام کی مہر اس کے جام پر
قربان ساقیا میں ترے انتظام پر

یہ بھی ستم ظریفیِ صیاد خوب تھی
ڈالا مجھے قفس میں کتر کر "تمام پر"

جب اور کوئی کام نہ پایا برائے دل
ہم نے لگا دیا اسے الفت کے کام پر

اے ہم نفس قفس میں نہ کر پر فشانیاں
صیاد نوچ ڈالے گا اک دن "تمام پر"

مٹتا نہیں جہاں سے قیامت تک ان کا نام
مٹتے ہیں جو وفا و محبت کے نام پر

منزل کو خاک پائیں گے وہ راہ رو جگر
بیٹھیں جو پاؤں توڑ کے دو چار گام پر

جذبۂ دل کو آزمائے کوئی — میرے پہلو سے اٹھ کے جائے کوئی

دل کسی کا اگر دکھائے کوئی — پھر کرے کیوں نہ ہائے ہائے کوئی

پہلے آئینہ دیکھ آئے کوئی — مجھ پہ پھر تہمتیں لگائے کوئی

بھولنے پر جو یاد آئے کوئی — کیسے بھولوں اسے بتائے کوئی

دوستوں پر تو ظلم ڈھائے کوئی — دشمنوں کو گلے لگائے کوئی

خود نمائی کا درس دیتا ہے — آئینے کو نہ منہ لگائے کوئی

ظلم ڈھاؤ مگر خیال رہے — زندگی سے نہ تنگ آئے کوئی

آتشِ گل سے جل رہا ہے چمن — آشیانہ کہاں بنائے کوئی

بیٹھنے کو جگہ نہیں ملتی — تری محفل میں خاک آئے کوئی

دل ملا تو بات دور کی ہے — آنکھ سے آنکھ تو ملائے کوئی

یہ جوانی کو لوٹ لیتی ہے — دخترِ رز کو نہ منہ لگائے کوئی

دل کا آئینہ توڑ دیتے ہیں — ان بتوں سے نہ دل لگائے کوئی

غیر کو وہ پلا رہے ہیں شراب — اب مجھے زہر ہی پلائے کوئی

فصلِ گل میں ہے حکمِ پیرِ مغاں — ساقیا اب بے پیے نہ جائے کوئی

روٹھ جاتے ہیں بات بات پہ وہ
ان کو کب تک جگر منائے کوئی

آنکھ نہیں وہ جو اشکبار نہیں ہے
دل ہی نہیں وہ جو بے قرار نہیں ہے
کون سی جان آپ پر نہیں ہے تصدق
کون سا دل آپ پہ نثار نہیں ہے
تیرا کرم ہے اگر حساب سے باہر
میرے گناہوں کا بھی شمار نہیں ہے
وعدۂ فردا سے تیرے کیا ہو مسرت
مجھ کو تو اک پل کا اعتبار نہیں ہے
قبر میں تڑپا رہی ہے فکرِ قیامت
مر کے بھی انسان کو قرار نہیں ہے
جس میں نہ گُل ریز ہو نہالِ تمنا
میری نگاہوں میں وہ بہار نہیں ہے
ہے یہ مری بے قراریوں کا تاثر
اُن کو سُنا ہے اُدھر قرار نہیں ہے
معتبر اُس وقت تک نہیں تری وحشت
دامنِ ہستی جو تار تار نہیں ہے
ہے مرے دل میں یہ درد شام و سحر کیوں
مجھ کو جگر جب کسی سے پیار نہیں ہے

دل مرا لوٹا نگاہِ یار نے
ہوش اُڑائے ابروئے خمدار نے

وہ پلائی چشمِ مستِ یار نے
توڑ ڈالا جام ہر میخوار نے

کہہ دیا کیا عشق کے بیمار نے
کی دُعا مرنے کی ہر غمخوار نے

دل سمجھتا تھا اِسے وجہِ سکوں
اور تڑپایا ترے دیدار نے

دُشمنوں کی دشمنی سے بچ گیا
مار ڈالا مجھ کو تیرے پیار نے

ظالموں سے دوستی کرنی پڑی
مجھ کو مارا لذّتِ آزار نے

رنج و غم، آہ و فغاں، سوز و گداز
کی وفا مجھ سے انہیں دو چار نے

دشت میں اِتنی مری عزّت ہوئی
دی جگہ سر پہ مجھے ہر خار نے

چند آہیں، چند نالے، چند اشک
مجھ کو بخشے حسن کی سرکار نے

قیس، وامق، کوہکن جیسے جواں
مار ڈالے عشق کے آزار نے

خوش نوائی پر تھا بلبل کو غرور
منہ کیا بند آپ کی گفتار نے

دہر میں چھوڑا نہ کوئی تندرست
اے جگر اُس نرگسِ بیمار نے

قطعات

یارب یہ اگر سچ ہے کہ سب تیرے ہیں بندے
پھر تو ہی بتا ان میں یہ تمیز روا ہے؟
اک وہ ہیں ترستے ہیں جو اک دانے کی خاطر
اک وہ ہیں جنہیں تنگیِ داماں کا گلا ہے

موسمِ گل میں یوں عروسِ بہار
کر رہی ہے گلوں سے زینتِ باغ
جیسے دیوالی کو دلہن کوئی
بام و در پر جلا رہی ہو چراغ

لالہ و گل کی ایک اِک رگ میں
اللہ اللہ یہ جوشِ رنگ و بُو
جس طرح عالمِ جوانی میں
رقص کرتا ہے جسم و جاں میں لہُو

صبح کے وقت صحنِ گلشن میں
یوں چمکتی ہے اوس پھولوں پہ
جس طرح اک شراب خانے میں
پُر ہوں رنگیں شراب کے ساغر

دستِ ساقی بنی ہے شاخِ گل
اور ہر گل ہے ایک پیمانا
دیکھنے کی طرح جو ہم دیکھیں
ہر گلستاں ہے ایک میخانا

جفا پسند زمانے کی بات کیا کہیئے
کئی نقوش جہاں سے مٹائے جاتے ہیں
اک اپنی بزم کی رونق بڑھانے کی خاطر
جلا کے شمع پتنگے جلائے جاتے ہیں

جس کو لگ جائے دِل کی بیماری
کب تک ایسا مریض جیتا ہے
چاکِ دامن کو سی بھی لیتے ہیں
کون سینے کا چاک سیتا ہے

موسمِ گُل کی آمد آمد ہے خوب رونق ہے گُلستانوں میں
مطربوں کیطرح ہیں محوِ طرب خوشنوا طائر آشیانوں میں
ہوگئے سرورِ کیف و مستی سے شاخیں پھولوں کی لہلہاتی ہیں
جیسے رندانِ مست پی پی کر جھومتے ہیں شراب خانوں میں

زمانے کے جو لوگ اچھے ہیں وہ یہ سوچ کر آخر
بُروں کے تیر و نشتر کو گوارا کر ہی لیتے ہیں
خلش ہے عمر بھر کی اُن کے پہلو میں مگر پھر بھی
چمن کے پھُول کانٹوں میں گزارا کر ہی لیتے ہیں

عشق کرنے سے ہمیں باز نہ رکھ اے ناصح!
کیوں نہ ہم نفع کا سودا ایسے نادان کریں
جان دے لیسے بھی چلی جائیگی رُکنے کی نہیں
کیوں نہ ہم دے کر اسے دوست پہ احسان کریں

دوست کے عیب کی تشہیر نہیں ہو سکتی
ایسے موضوع پہ تقریر نہیں ہو سکتی
کچھ کہیں لوگ ہمیں اس سے غرض ہی کیا ہے
کچھ بھی ہو ہم سے یہ تقصیر نہیں ہو سکتی

وہ تو دیوانہ ہے ہشیار نہیں ہو سکتا
جو محبت کا خریدار نہیں ہو سکتا
شیخ صاحب کی ہے کیا بات جو کہتے ہیں کہیں
میں محبت سے گنہگار نہیں ہو سکتا

کوئی نغمہ پسند کرتا ہے
آرزو ہے کسی کو تالوں کی
شعر گوئی تو ہو گئی مفقود
اب تو ہے مانگ گانے والوں کی

سنِ اشاعت ۱۹۷۲ء

بار .... اوّل

تعداد .... ایک ہزار

ملنے کا پتہ

۱- جناب رگھبیر داس ساحرؔ سیالکوٹی
۵/۱۸۸ سنٹرل ٹاؤن جالندھر شہر

۲- جناب آر۔ ڈی۔ سیال (وفاؔ پٹیالوی)
ایس۔ ڈی۔ ایم ہوشیار پور

۳- جناب جگرؔ جالندھری - مرواہا کاٹیج
گوربخش کالونی - پٹیالہ

(با اہتمام چوپڑہ پرنٹنگ پریس جالندھر سے چھپوا کر جناب آر ڈی سیال وفاؔ پٹیالوی نے شائع کیا۔)

کاتب :- شنکر داس بدھن روزانہ پردیپ